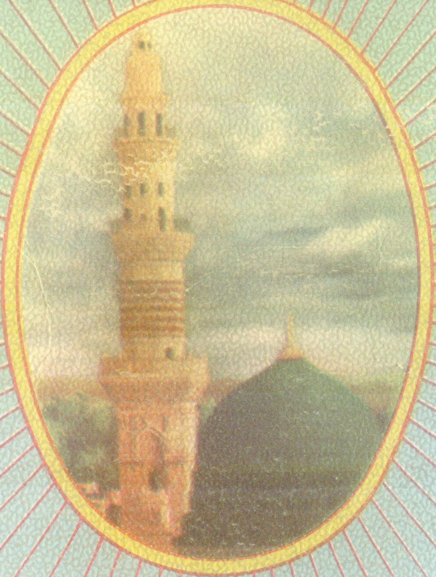
فضائلِ درود وسلام



حضرت علامہ مولانا محمد سید ہاشم صاحب مدظلہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۰ گنج بخش روڈ ۰ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائلِ درود و سلام

سیالکوٹی

مصنفہ

حضرت علامہ مولانا محمد سیّد ہاشم صاحب مدظلہ

ناشر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ
لاہور

فضائلِ درود و سلام

مصنّفہ ـــــــــ حضرت علّامہ سیّد محمّد ہاشم صاحب مدّظلہ
صفحات ـــــــــ ۱۳۶
تعداد ـــــــــ ایک ہزار
مطبع ـــــــــ کارواں پریس، لاہور
قیمت ۱۲ روپے
ناشر ـــــــــ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، داتا گنج بخش
روڈ، لاہور، فون ۶۳۴۶۴

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمۡ وَبَارِکۡ عَلٰی حَبِیۡبِکَ وَاٰلِہٖ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا

ترجمہ: تحقیق اللہ اور اللہ کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں نبی پر اے ایمان والو تم صلوٰۃ و سلام بھیجو ان پر بار بار۔

آیت زیر عنوان خالق قیوم و رحمٰن کا کھلا فرمان ہے جو قرآن مجید یعنی وحی تلاوت کے کلمات ہیں صرف مومنین اس کے مخاطب ہیں۔ اور صحیح ایمان کے اثر سے وہ اس حکم اور اس فرمانِ الٰہی کی بجا آوری میں اپنے قلب و روح کو ہمیشہ آمادہ اور مستعد پاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس حکم کے اعلان کو سُنکر خوشی و رنج اور اس کی تعمیل میں رغبت و کوتاہی سے مدّعیان ایمان کے دعوؤں کا کھرا پن اور کھوٹ معلوم ہوتا ہے ان کے ایمان کی قوت و ضعف دریافت ہوتی ہے۔ جن قلوب میں ایمان کی تجلیات دھیمی ہیں۔ نبی مکرم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے میں غفلت کرتے ہیں جو ضعیف الایمان ہیں فریضہ صلوٰۃ وسلام کی ادائیگی میں کوتاہ و قاصر ہیں جو ایمان سے محروم ہیں، صلوٰۃ و سلام سے ناراض ہوتے ہیں۔ اور اس کی مخالفت کرتے ہیں اور جو منافق ہیں، طرح طرح کے حیلے بہانے

سے صلوٰۃ و سلام بھیجنے اور صلوٰۃ و سلام کی محفل کی شرکت سے خود بھی رُکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ کیونکہ صلوٰۃ و سلام کے فرمان کی مخاطبت ایمان والوں سے ہے۔ اور اس حکم کی بنیاد ایمان ہے۔ کوئی صاحب ایمان کسی ایسے عمل کی راہ میں حائل نہیں ہوگا جو اس حد تک محبوب و مطلوبِ الٰہی ہو کہ ذاتِ حق اپنے فرشتوں کے ساتھ اس عمل کی مداومت رکھے اور اپنے پسندیدہ بندوں یعنی مومنین کو اس کارِ عظیم و بزرگ میں شرکت و ہمرہانی کی دعوت دے۔ تمام مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم افضل المخلوقات سید المرسلین ہیں۔ آپ ہی فخرِ کونین ہیں اور مظاہرِ کن فیکون کی جان ہیں۔

جب تکریمِ آدم میں تمام مخلوقات ارضی و سماوی بالخصوص ملائکہ ربّ ادائے سجدہ پر مامور ہوئے عزازیل انکار سجدہ سے مردود رہا اور رجیم ٹھہرا حالانکہ اس تکریمِ آدم میں عملاً نہ ذاتِ الٰہی شریک تھی اور نہ روحِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم سجدے پر مامور تھی۔ بعض روایتوں اور بیانوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سجدہ سے مقصود حقیقتِ محمّدیہ علیہ الثناء والتحیہ کا سجدہ تھا جو بطورِ امانت وجودِ آدم میں مخفی تھی۔

لیکن صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم کے لیے بارگاہِ صمدیت سے جو فرمان صلوٰۃ و سلام صادر ہوا اس کو بروئے کار لانے اور معمول بنانے میں فرشتوں کے ساتھ خود فرماں روا بھی شریک ہے۔

لہٰذا صلوٰۃ و سلام کی طرف سے غفلت، کوتاہی اور انکار کی سزا سجدہ

آدم کے انکار سے زیادہ سخت ہونی چاہیئے۔
نیز سیّدنا آدم و سیّد محمدؐ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے مقامات کا امتیاز و فرق اور دونوں کی تکریم کے فرامین کا انداز و طرز تو یہی چاہتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام میں کوئی کمی و کوتاہی نہ ہو اور منکر زیادہ سے زیادہ سخت سزا کا مستحق ٹھہرے کیونکہ تکریم آدم میں صرف اللہ کا زبانی فرمان ہے اور تکریم محمدؐی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بارگاہ صمدیت قولاً و فعلاً متوجہ ہے۔

استمرار و دوام

بعض لوگوں کو "یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" کے مفہوم میں استمرار و دوام سے انکار ہے۔ مگر ان کا یہ خیال عربی زبان کے قواعد فصاحت و بلاغت کے موافق نہیں بلکہ خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔
کیونکہ یُصَلُّوْنَ فعل مضارع ہے جو حال و استقبال دونوں کو شامل کرتا ہے اور زمانۂ استقبال کی کوئی حد نہیں ہے جب زمانہ استقبال کا استمرار لاالی نہایۃ ثابت ہے تو جس فعل کے لیے زمانہ مستقبل ظرف بنا ہے لاالی نہایۃ جاری رہے گا ممکن ہے بعض لوگ یہ کہیں کہ مستقبل میں ایک دفعہ وقوع فعل سے یصلون کا حکم پورا ہو گیا تو یہ کہنا اس لیے غلط ہو گا کہ مستقبل کے میزان میں ہر مومن اس آیتہ کا مخاطب ہے اور خطاب یصلون کی قید کے ساتھ جاری ہے اور ہر مومن اپنی صلوٰۃ نہ سلام کو اللہ جل مجدہٗ کے کلمہ

یصلّون کے ساتھ جوڑتا ہے۔ لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ کا اعلان یصلّون مستقبل میں ہر مومن کے صلوٰۃ و سلام کی بنیاد ہے۔

اسمِ فاعل بھی اگرچہ استقبال کا مفہوم رکھتا ہے مگر مضارع اور اسم فاعل میں فرق یہ ہے کہ تمام فعل کے بعد فاعل کی جو حاصل شدہ کامل ہیئت ہوتی ہے اگر وہ ہیئت زمانہ مستقبل میں پائی جائے تو اس کا اظہار اسم فاعل کے ذریعے سے کیا جاتا ہے اور اگر فعل کا انقطاع نہیں ہوا اور زمانۂ مستقبل میں اجرائے عمل و استمرار فعل کا اظہار مقصود ہو تو اس کے لیے فعل مضارع لاتے ہیں۔

چنانچہ علماء سے ادب و بلاغت فعل مضارع اور اسم فاعل کے درمیان مذکورہ فرق بیان کرنے کے بعد آیت قرآنی "وَکَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ" کو دلیل و سند میں پیش کرتے ہیں یعنی "باسط" اسم فاعل ہے معنی یہ ہوئے کہ اصحاب کہف کا کتا بیٹھنے کی درمیانی حالت میں نہیں ہے اور نہ یہ بات ہے کہ بیٹھنے کا فعل ہنوز نا تمام و نامکمل ہے بلکہ بیٹھنے کا فعل کامل ہو کر ختم ہو چکا اور ہیئت نشست تمام و کامل ہو چکی ہے۔ اب یہ حاصل شدہ کامل ہیئت مستقبل میں پائی جائے گی۔

اگر "باسط" کی جگہ فعل مضارع "یَبْسُطُ" آتا تو اس کا مفہوم یہ ہوتا کہ سگِ اصحابِ کہف بیٹھنے کی درمیانی حالت میں ہے۔ پوری طرح بیٹھا نہیں ہے بلکہ بیٹھنے کے عمل میں مشغول ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ کتا نشست مکمل کر چکا اور تا قیامت زمانہ مستقبل میں اس کی حاصل شدہ

ہیئتِ نشست قائم رہے گی۔ (دلائل الاعجاز)

قرآنِ مجید کا اعجاز تو یہی ہے کہ کلمات کے انتخاب میں بھی بال جیسے باریک فرق کا لحاظ رکھتا ہے۔ اسمِ فاعل اور اسمِ مضارع کا فرق معلوم ہو جانے کے بعد یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کا معنی واضح ہو جاتا ہے کہ بارگاہِ ایزدِ اقدس سے مطاعِ کل فخرِ رُسل علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ و سلام کا ارسال کامل ہو کر منقطع نہیں ہوا۔ اور درود و سلام کا جو تاج محبوبِ بارگاہ کے زیبِ سر ہوا، آپ کی آراستگی و پیراستگی مستقبل میں ایسی ہی ہے اور پہلے تاجِ عظمت سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح محبِ حقیقی جل مجدہ ہر آن نئی شان میں ہے کل یوم ہو فی شان اپنے محبوب کو صلوٰۃ و سلام کے نئے جلوؤں سے مزین و آراستہ رہتا ہے اور بارگاہِ صمدیت سے صلوٰۃ و سلام کی آمد استمراری و دوامی ہے ؎

تمہاری ذات، ذاتِ حق کا جلوہ ۔۔۔ تمہاری معرفت، عرفانِ کامل (ہاشم)

صلوٰۃ و سلام کی فرضیت

"صَلُّوْا وَسَلِّمُوْا" امر کے صیغے ہیں اور امر ہمیشہ وجوب و فرضیت کے لیے بولا جاتا ہے۔ اِلّا یہ کہ فرضیت کے خلاف کوئی جداگانہ دلیل یا کوئی قابلِ یقین قرینہ یا دلیل موجود ہو۔ اس آیت میں فرضیت و وجوب کے خلاف کوئی قرینہ یا دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ جس اہتمام سے صَلُّوْا

وَسَلِّمُوْا کا حکم دیا گیا ہے اور تَسْلِیْمًا سے اس حکم کو مؤکد و مستحکم کیا گیا ہے اور حکم سے پہلے بطور تمہید اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ عقل و دین اور صورت و معنی کا تقاضہ یہ ہے کہ یہاں امر کو وجوب و فرضیت ہی کے لیے متعین کیا جائے۔

لہٰذا درود و سلام کی مطلق فرضیت کی بحث فضول اور غیر ضروری ہے۔ صلوٰۃ و سلام کی نفس فرضیت میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں نکلتی۔ درود و سلام کی فرضیت و استحباب کے بارے میں اگر علماء کے درمیان کوئی اختلاف پایا جاتا ہے تو وہ خاص خاص مواقع اور محل میں درود کی فرضیت و استحباب کے متعلق ہے۔

صلوٰۃ وسلام کا ثواب

درود و سلام سے متعلق امر الٰہی کی تعمیل خاص موقع و محل میں اگر مستحب بھی تسلیم کریں، پھر بھی صلوٰۃ و سلام کا ثواب ہمیشہ فرض عبادات اور فرض صلوٰۃ و سلام کا ملے گا اور اعمال میں فرائض کا ثواب سنت و نفل عبادات سے زیادہ ہوتا ہے۔

درود شریف کی فرضیت و استحباب میں اختلاف کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ خاص خاص موقعوں میں اگر کوئی شخص درود شریف نہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟ کیا وہ فرض کا تارک کہلائے گا؟ اور ترک پر کوئی مواخذہ اور

گرفت نہیں ہے؟

جو لوگ درود شریف نماز میں فرض قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک درود شریف کے بغیر نماز ہی نہیں ہو گی۔ لہٰذا بے درود جب نماز نہ ہوئی تو تارکِ درود تارکِ نماز ٹھہرا اور وہ سخت عذاب کا سزاوار ہے۔

اور جو لوگ نماز میں درود شریف کو سنّت و مستحب کہتے ہیں اِن کے نزدیک بغیر درود نماز تو ہو جائے گی مگر ناقص ہو گی اور وہ اجر و ثواب نہیں ملے گا جو نمازِ کامل کے لیے موعود مقرر ہے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قبولِ دعا کے لیے درود شرط ہے جو نماز درود سے خالی ہو گی وہ بارگاہِ حق میں نامقبول ہو گی۔ فرض تو گو گردن سے اُتر جائے گا مگر انجام میں ادائے فرض کے ثواب سے محرومی رہے گی۔

اور یہ اس لیے کہ اصطلاح شریعت میں نماز بھی تو دعا ہے۔

ثوابِ درود فرض کے برابر ہے

صلوٰۃ و سلام کو خاص موقعوں میں سنت و مستحب ماننے کے بعد بھی ان کا ثواب ہمیشہ فرض عبادت کا ثواب ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے لیے مندرجہ ذیل قاعدے کو ذہن نشین ہونا چاہیئے۔

قاعدۂ کلیّہ

جن احکام قرآنی کی تعمیل فرض ہے، وہ دو قسم کے ہیں۔

اوّل احکام معین۔ یعنی وہ فرائض و احکام جن کی تعمیل میں زمان و مکان کی یا عدد کی قید لگی ہوئی ہے۔ مثلاً:

نماز: زمانہ اور تعداد رکعات کی قید لگی ہوئی ہے۔

روزہ: قید زمانی کے ساتھ فرض ہے۔

حج: زمان و مکان کی قید کے ساتھ فرض ہے۔

زکوٰۃ: زمانہ (مرورِ سال) عدد (مقدار نصاب) کی قید کے ساتھ فرض ہے۔

فرض معیّن کا ثواب

ایسے تمام فرائض جن کی فرضیّت میں زمان و مکان یا عدد کی شرطیں ملحوظ ہیں جب اِن حدود و قیود کے ساتھ ادا ہوں گی تو ان پر فرض عبادت بجالانے کا ثواب ملے گا۔ اِن قیود کے بغیر اگر ان فرائض کے مماثل و مشابہ اعمال ادا کئے جائیں تو وہ یا سنّتیں ہوں گی یا مستحبات ہوں گی۔

شریعت میں سنّتوں اور مستحبات کا ثواب و اجر فرض سے کم ہوتا ہے

مثلاً کوئی شخص رمضان المبارک کے علاوہ دنوں میں اگر روزے رکھے تو اس کے یہ روزے یا تو سنّت ہوں گے یا مستحب، یہی حال، حج، صدقات اور نمازوں کا ہے۔

فرائض اور نوافل کے درمیان معیار اجر میں فرق کی وجہ ظاہر ہے۔ فرض کے ترک پر چونکہ عذاب سخت کی وعید ہے۔ لہٰذا اس کے ادا پر ثواب کا معیار بھی اعلیٰ ہوگا۔ چنانچہ اس مسئلہ میں تمام علماء کے درمیان کامل اتفاق ہے کوئی معمولی اختلاف بھی نہیں ہے۔

دوئم۔ غیر معین احکام و فرائض۔ قرآن مجید میں بعض ایسے احکام بھی ہیں جن کی بجا آوری میں زمان و مکان، اور عددگی کوئی قید نہیں ہے۔ مثلاً جہاد۔ کافروں سے قتال، یعنی جہاد بالسیف، جہاد بالقلم، جہاد بالموعظۃ الحسنہ فرائض تو ہیں، مگر ان کی ادائیگی کے لیے نہ زمان کی تعیین ہے نہ مکان کی قید ہے اور نہ قتال کی تعداد معین ہے کہ ہر شخص کو فلاں زمانے میں یا فلاں خاص مقام پر جہاد کرنا فرض ہے یا زندگی میں اتنی دفعہ جہاد اسلامی فریضہ ہے۔

اسی طرح نماز جنازہ ہے جس کی فرضیت مسلّم ہے۔ مگر یہ فرض قیود و شروط زمانی و مکانی و عددی سے بَری ہے۔

کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے امّت مؤاخذہ و عذاب سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ مگر ادا کرنے نماز جنازہ پر ہر بار ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے۔

غیر متعیّن فرائض کا ثواب

جو فرائض و احکام غیر معین ہیں ان کی تعمیل میں وسعت و گنجائش رکھی گئی ہے اور مومن کے جوشِ ایمانی، اخلاصِ عقیدت، قوتِ عمل اور جذبۂ محبت دینی پر اعتماد کر کے ان فرائض کو شارع علیہ السلام نے ہر قید سے مستثنےٰ اور بری رکھا ہے۔

اِن غیر معیّن فرائض میں ایک طرف تو وسیع سہولت اور بے اندازہ گنجائش ہے کہ اس کی ادائیگی میں انسان کو آزادی ملی ہے۔ زمان و مکان، موقع و محل، عدد و شمار کی کوئی پابندی نہیں۔

دوسری طرف اِن فرائض کو اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ دین کا فدائی کتاب وسُنّت کا شیدائی جب کبھی جہاد و قتال جیسے غیر معیّن فرائض کی بجا آوری کے لیے میدانِ عمل میں نکلے گا تو ہمیشہ اس کو عبادتِ واجبہ کی ادا کا ثواب و اجر ملے گا۔

چنانچہ ایک مجاہد اپنے ہر قتال میں قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کا فریضہ ادا کرتا ہے اور جہاد فرض کے ثواب سے سرفراز ہوتا ہے۔

انھیں غیر متعیّن فرائض میں درود و سلام بھی ہیں۔ اللہ رب العزت نے درود و سلام ہر مومن پر فرض کر دیا۔ مگر زمان و مکان اور عدد کی قید سے ان کو مستثنےٰ رکھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کسی نے اپنی تمام زندگی میں اگر ایک

بار بھی حضور صاحبِ لولاک پر صلوٰۃ وسلام بھیج دیا تو ادائے فرض سے سُبکدوشی ہو جاتی ہے اور ترکِ فرض کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوگا۔

دوسری طرف صلوٰۃ وسلام وہ نعمتِ عظمیٰ اور وسیلۂ کبریٰ ہے کہ بندۂ مومن جہاد کی طرح اپنے ہر صلوٰۃ وسلام پر فرض صلوٰۃ وسلام کا ثواب حاصل کرتا ہے۔

ایک نکتہ

آیت زیبِ عنوان کے طرزِ بیان اور اس کی تمہیدی شان سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام میں اللہ بزرگ و برتر کی رضا و پسند کا اقتضا تو یہ تھا کہ اس فریضہ کو تمام فرائض پر مقدم رکھا جائے اور اس کے تارک کو دوسرے تمام گنہگاروں سے زیادہ سزاوارِ عذاب قرار دیا جائے۔

مگر درمیان میں رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سراپا رحمت ذات آگئی ہے، لہٰذا ان کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا ثواب تو بیش از بیش ملے۔ لیکن صلوٰۃ وسلام میں غفلت کیشوں کو مواخذہ سے بچایا جائے تاکہ رحمۃ للعالمین کے دامنِ رحمت پر کوئی حرف نہ آئے اور ان کی وجہ سے کوئی مبتلائے عذاب نہ ہو۔ تارکینِ صلوٰۃ کی یہی محرومی کیا کم ہے کہ وہ بارگاہ رحمت پناہ سے دور ہیں۔ اور اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

کے حلقہ سے خارج ہیں
حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ تمام مومنین صلوٰۃ و سلام پر مامور ہیں اور جیسا کہ آئندہ حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ رحمۃ للعالمین کے تقرب کا ذریعہ صلوٰۃ و سلام ہے۔ لہٰذا جو صلوٰۃ و سلام سے غافل ہے وہ رحمۃ للعالمین کی بارگاہ سے دور ہے اور جو صلوٰۃ و سلام کی مداومت و کثرت رکھتا ہے وہ رحمۃ للعالمین کے قریب ہے۔ یہاں بھی اور قیامت میں بھی۔ مومنین کی شان تو یہی ہوگی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان "صَلُّوْا وَسَلِّمُوْا" کی پوری نگرانی کریں اور اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ کی نعمت و فضیلت سے سرفراز ہوں۔ حضور علیہ السلام رحمت ہیں اور اللہ کی رحمت ہمیشہ مومنوں کے نزدیک ہے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام ہر مومن کے نزدیک ہیں نیکو کاروں سے غائب و دور نہیں ہیں۔ کافروں کے حق میں حاضر نہ ہوں بلکہ غائب ہوں تو دوسری بات ہے۔

صلوٰۃ و سلام کے طریقے

قرآنِ مجید میں صلوٰۃ و سلام کا حکم ہے مگر اس حکم کی تعمیل کے سلسلے میں چند امور ایسے بھی ہیں جن کی تشریح نہایت ضروری ہے۔
اوّل۔ صَلُّوْا (یعنی صلوٰۃ بھیجو) اس حکم کے آغاز میں اللہ ربّ العزت نے تاکید و تفہیم کے لیے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کی

شاندار و شکوہ پرور تمہید بیان کی لیکن ختم فرمان میں صلوٰ کے ساتھ کوئی تاکیدی صیغہ نہیں لایا۔

دوم۔ سَلِّمُوْا (سلام بھیجو) سلام کے ساتھ خاتمۂ حکم میں تاکید کے لیے تَسْلِیْمًا مفعول مطلق لایا۔ مگر آغاز فرمان میں سلام کے لیے کوئی تمہیدی تاکید نہیں ہے۔ الغرض صَلُّوْا کی تاکید کے لیے جلالت نشان تمہید سے کام لیا اور سَلِّمُوْا کی تاکید کے لیے مفعول مطلق پر اکتفا کیا۔

مفعول مطلق کی اصل غرض تاکید ہے۔ یہاں تاکید کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ الف۔ سلام کی فرضیت کو مزید قوت پہنچانا تاکہ مومنین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے میں غفلت نہ کریں اور اللہ رب العزت کی عملی شرکت سے صرف صلوٰۃ کی اہمیت کو کافی نہ سمجھیں۔

ب۔ "تَسْلِیْمًا" کی تاکید کا مفہوم سلام کی کثرت و تکرار سے متعلق ہے یعنی بار بار اور بکثرت سلام بھیجو۔ آیۂ کریمہ کے اس دوسرے مفہوم تاکید سے معنی یہ پیدا ہوں گے کہ ہر صلوٰۃ کے ساتھ سلام کا ہونا ضروری ہے۔

یا ایک صلوٰۃ کے ساتھ مکرر سلام مطلوب رب ہے۔

مگر یہ کوئی نہیں کہتا ہم دیکھتے ہیں کہ ایک صلوٰۃ کے ساتھ ایک ہی سلام بھیجتے ہیں اور کبھی صرف صلوٰۃ پر ہی اکتفا کرتے ہیں سلام نہیں بھیجتے۔ مثلاً سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعائے قنوت میں خاتمے پر "صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ" تو ہے مگر سلام و تسلیم کا کوئی کلمہ نہیں ہے۔

اگر صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی ضروری ہوتا تو قنوتِ حسن رضؓ میں بحالتِ قیام

نمازوں میں جو "صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ" یا صرف "سَلَّمَ" ضرور ہوتا۔ لہٰذا روایات حدیث میں غور کرنے سے صلوٰۃ وسلام کی مندرجہ ذیل شکلیں نظر آتی ہیں۔

اوّل: "صلوٰۃ" کے مفہوم میں "سَلَام" کا معنی بھی شامل ہے لہٰذا تَسْلِیْمًا دونوں معانی کی تاکید کے لیے آیا ہے اور صلوٰۃ سے متعلق تمہید سَلِّمُوْا کے فرمان کی بھی تمہید و تاکید ہے۔

دوم: صَلُّوْا کے بعد مفعولِ مطلق محذوف ہے اور سَلِّمُوْا کے بعد تَسْلِیْمًا کا کلمہ اس محذوف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ مطلوب رب صلوٰۃ وسلام دونوں ہیں۔

سوم: سلام کے لیے چونکہ بہتر و اعلیٰ صورت مخاطبت کی ہوتی ہے چنانچہ جس کسی کو بھی سلام کیا جاتا ہے۔ حاضر و خطاب کے ساتھ سلام کرتے ہیں لہٰذا تَسْلِیْمًا کہہ کر اللہ جل مجدہٗ نے مومنین پر واضح کر دیا کہ صیغۂ خطاب سے بھی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے میں حاضر و غائب کی نزاع میں مبتلا نہ ہوں اور اس سلسلے میں ہر تذبذب و شک سے پرہیز کریں۔ لہٰذا سَلِّمُوْا کا حکم تاکید کے ساتھ بیان کیا۔

چہارم: صَلُّوْا کے ساتھ تمہید کا فائدہ یہ ہو کہ صلوٰۃ بھیجنے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف نسبت و توجہ بہتر ہے جیسے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِكَ اور سلام بھیجنے میں غفلت سے تو اجتناب کریں۔ لیکن بطور خود خطاب کر کے سلام بھیج سکتے ہیں مثلاً اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

پنجم: مومنین اگر بصیغۂ دعا درود بھیجیں تو زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ صلوٰۃ و

سلام دونوں حکموں کی تعمیل ایک ساتھ ہو مثلاً "اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ"۔

ششم: اگر بصیغہ ماضی درود بھیجنا چاہیں تو کلمہ "صَلٰوۃ" کافی ہے جیسا کہ قنوتِ حسن میں صرف "صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ" ہے۔ اور بعض سلاسل طریقت میں "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّد" ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ میں صرف صلوٰۃ کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔

ہفتم: حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کے ذریعے پہلے حضور پر بصیغہ خطاب صرف سلام بھیجنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ بعد ازاں جب فرضیت صلوٰۃ کا حکم آیا تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ پوچھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ ابراہیمی تعلیم فرمائی۔

ان روایتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تشہد میں سلام پہلے سے موجود تھا اور تمام مومنین حاضر و غائب کی نزاع و جدال سے پاک و بلند ہو کر ہمیشہ اپنی نمازوں میں بصیغۂ حاضر و خطاب فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے رہے۔

جب فرضیت درود کا حکم آیا اور درود ابراہیمی تعلیم ہوئی جس میں سلام نہیں ہے۔ تو اب دو طرح کے شبہات پیدا ہو سکتے تھے۔

اوّل: درود ابراہیمی اختیار کر کے صحابہ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کو ترک کر دیں گے۔

دوم: درود ابراہیمی میں مخاطب اللہ جل مجدہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت غائب کی ہے لہٰذا مومنین مخاطب و حضوری سے رک جائیں۔

اللہ کریم و مفضال نے سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا فرما کر دونوں ممکن پہلوؤں کو رَد کر دیا اور بصیغۂ خطاب و حضور "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" کو برقرار رکھا۔ بہ الفاظِ دیگر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ یعنی حضور اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر سلام بھیجنا اب تک وحی غیر متلو یعنی حدیثوں کی بنیاد پر ایک اہم فعل تھا۔ "سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" فرما کر اس عمل خیر و سعادت کو وحی متلو یعنی قرآن کے اندر داخل کر دیا۔ اور بارگاہِ محبوب تک پہنچنے کی ایک مزید رہنمائی فرمائی یعنی صَلُّوْا کا اضافہ کر دیا۔

جو لوگ بہ صیغۂ خطاب و حضور صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے سے منع کرتے ہیں، اور اس عمل کو شرک و بدعت کہتے ہیں یا ان کے دل میں تذبذب و شک ہے اور تشہد میں کلمہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کو اپنی طرف سے تسلیم و عرض سلام قرار نہیں دیتے بلکہ اس کلمۂ خیر و سعادت کو محض حکایت اور واقعہ معراج کی نقل کہتے ہیں وہ بلاشبہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایسے لوگ اگر علماء ہیں تو بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان کے علم نے الفاظ و حروف سے ترقی کر کے نور و تجلی اور روشنی کا مقام حاصل نہیں کیا ہے۔

کیونکہ ان حضرات کے بدعت آفرینی و شرک گوئی آیت قرآنی اور اس کے متعلق مروی صحیح حدیثوں کے خلاف ہے۔

حدیثیں صاف بتا رہی ہیں کہ کلمہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی طرف سے حضور صاحبِ لولاک پر سلام

بھیجتے تھے اور حکمِ قرآنی سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی تعمیل کرتے تھے۔ صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ ان کو معلوم نہ تھا جس کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے یہ تلامذہ رسول علیہ و علیہم السّلام حضور کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے درودِ ابراہیمی ان کو سکھایا۔ اِس طرح صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کی تعمیل و بجا آوری ہوئی ہے جو از روئے قرآن ہر مومن پر فرض ہے اور عہدِ صحابہ سے آج تک جاری ہے۔

حق تو یہ ہے کہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ محض حکایت و نقالی نہیں ہے بلکہ ہر نمازی کمالِ اخلاص اور کامل نیت و ارادہ کے ساتھ اِن کلمات میں اپنی عبدیت و بندگی کا اقرار کرتے ہوئے اپنی تحیات و صلوات و طیبات کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتا ہے اور کلمۂ توحید کے جزوِ اوّل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی زبان و عمل سے تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ میں سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ کمالِ اخلاص اور کامل ارادہ و نیّت کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں سلام و رحمت و برکات کے نذرانے گذارتا ہے۔ گویا یہ کلمۂ توحید کے جزوِ ثانی مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی زبان و عمل سے تصدیق کرتا ہے اپنے اِن دونوں ہدایا کے ذریعے جب اللہ اور اسکے رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی رضا حاصل ہوگئی تو اِس لمحۂ سعید سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے اور دیگر صالح بندوں کے لیے سلامتی کی دعا کرتا ہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ"۔

اگر تشہد میں نمازی کی یہ نیتیں نہیں ہیں تو اِس سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اوّل: وہ ساری حدیثیں جو آیت صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا سے متعلق ہیں۔ بے ربط و بے معنی ہو جائیں گی اور ان کا انکار لازم آئے گا۔

دوم: نمازی کی نماز ادائے فرض کے بدلے نقالی ہو کر رہ جائے گی۔ اس سے کوئی فرق نہیں آتا کہ تشہد واقعۂ معراج کی یادگار ہے بندہ اس تشہد کو اپنانے کا پابند ہے اور اللہ بزرگ و برتر کا بے اندازہ احسان و فضل ہے کہ اس نے جب بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہم پر فرض کیا تو ساتھ ہی ساتھ سلام تحیت کی اعلیٰ و افضل قسم کو ہمارے لیے پسند فرمایا۔ یعنی تشہّد۔ اس طرح معراج المومنین یعنی نماز معراج محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) کی تجلّیات سے جگمگانے لگی۔ بعض لوگ جو سلام و صلوٰۃ کی نعمت سے محروم ہیں اور دوسروں کو بھی محروم بنانا چاہتے ہیں وہ اِس کارِ نیک کی بجا آوری میں طرح طرح کے رُخنے ڈالتے ہیں۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کے شبہے پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نماز میں صلوٰۃ و سلام بیٹھ کر بھیجتے ہیں۔ لہٰذا بصورتِ قیام صلوٰۃ و سلام غلط ہے یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ ارکان نماز اور اس سے متعلق دعائیں اور تسبیحات نمازوں کی اپنی مرضی پر موقوف نہیں ورنہ التحیات۔ الطیّبات کا اقتضار تو یہ تھا کہ بندہ کھڑا ہو کر اللہ کی جناب میں عرض کرے۔ بڑوں کو نذرانہ مؤدّب کھڑے ہو کر پیش کرتے ہیں اور اللہ سے بڑا کون ہے۔ نیز تسبیحات جو رکوع و سجدہ میں پڑھی جاتی ہیں ان لوگوں کے نزدیک بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر پڑھنا غلط ہو گا۔ ایسا خیال ان لوگوں کی غلطی ہے۔ نماز میں تسبیحات و تحیات اور صلوٰۃ و سلام کو اسی طرح ادا کریں گے جیسی تعلیم دی گئی ہے۔ نماز سے باہر

حدودِ شرع کے اندر ہم آزاد ہیں۔ حضور علیہ السلام کے لیے قیام تعظیمی یا کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام کی ممانعت نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم تعزروہ وتوقروہ کے رو سے حضور علیہ السلام کی تعظیم کھڑے ہو کر بجا لانا ثابت پھر اختلاف کس بات کا رہا۔

سلام حضوری

حیرت ہے کہ علمیت کے ادّعا کے بعد بھی کچھ لوگ یا نبی سلام علیک پر معترض ہوتے ہیں اور شرک و بدعت کہتے ہیں اور اپنے اس اعتراض کو برحق ثابت کرنے کے لیے وہ دو طریقے اختیار کرتے ہیں۔

اوّل: یا نبی سلام علیک حاضر و خطاب کا صیغہ ہے۔ آستانۂ نبوت دروضۂ انور سے دور رہ کر بہ صیغۂ خطاب سلام بھیجنا جائز نہیں کیونکہ حاضر و ناظر صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کسی مخلوق کو دور و نزدیک سے باخبر سمجھنا اور حاضر و ناظر کہنا شرک ہے۔

دوم: یا نبی سلام علیک کے کلمہ کے ساتھ قرآن و حدیث میں سلام بھیجنے کی روایت نہیں ہے لہٰذا بدعت ہے۔

یہ دونوں دلیلیں اتنی مہمل اور لغو ہیں کہ اگر کسی صحیح الحواس عالم کی طرف منسوب کی جائیں تو یقیناً وہ اپنی سخت توہین سمجھتا، مگر آج کل بعض افراد جو لمبی چوڑی سندیں دکھاتے ہیں ایسی ہی دلیلوں پر فخر کرتے ہیں اور اپنی علمیت

کا قلعہ تعمیر کرتے ہیں یا للعجب۔

پہلی دلیل :- یہ دلیل غلط ہے کیونکہ نماز جو خالصۃً اللہ رب العزت کی یاد و ذکر ہے " اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ " نماز میری یاد کے لیے قائم کرو۔ (قرآن) اس میں سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کہہ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا فرض کر دیا گیا ہے اور بندوں کی توجہ جو تنہا رب العزت پر مرکوز رہنی تھی اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ - وَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے۔ (حدیث) اندرونِ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ پھیری جا رہی ہے تاکہ اِن کی خدمت میں عرض سلام ہو، اور سلام ہو، اور سلام بھیجنے کا طریقہ بھی بڑا روح نواز ہے۔ یعنی حضور و خطاب کے صیغے سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔

یہی سلام صحابہ اپنی نمازوں میں عرض کرتے رہے جب وہ حضور کے ساتھ ہوتے اور اس وقت بھی اِن ہی کلمات میں سلام عرض کرتے۔ جب وہ تنہا نماز پڑھتے مسجد میں یا اپنے گھروں میں اور یہی سلام اس وقت بھی عرض کرتے جب وہ حضور سے منزلوں دور سفارت، جہاد یا دوسری اغراض سے کہیں اور تشریف لے جاتے اور یہی سلام بہ صیغۂ خطاب شرق، غرب، شمال، جنوب کے تمام مسلمان اپنی نمازوں میں پیش کرتے ہیں۔

اِس سلام سے حاضر و ناظر کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے تو ہو، دین تو وہی ہے جسے قرآن و حدیث دین کہیں۔ خواہ کسی صاحب کو یہ ناپسند ہو اور وہ اسے

شرک قرار دیں۔ اگر اس سلام سے حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں علم غیب ثابت ہوتا ہو تو ہونے دو۔ دین تو یہی رہے گا جو خدا و رسول کی تعلیم ہے۔ اس کے خلاف صورت کسی کی نگاہ میں بہتر معلوم ہوتی ہے تو اُس کی نگاہ کا قصور ہے اور سراسر گمراہی ہے۔

حاضر و ناظر کا مسئلہ بھی عجیب ہے۔ قرآن نے تو ہمیں یہ سبق دیا ہے "وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَآئِہٖ (اِن لوگوں سے کنارہ کش رہو جو اللہ کے نام میں الحاد کرتے ہیں)، لہٰذا کسی کو اس کا حق نہیں کہ اپنی طرف سے اللہ ربّ العزّت کے اسمائے حسنےٰ میں اضافہ یا کمی کرے۔ ایسا عمل الحاد کہلائے گا۔

اب ذرا اللہ جلّ مجدہٗ کے ننانوے ۹۹ ناموں کو جنہیں اسمائے حسنےٰ کہتے ہیں غور سے دیکھ جائیے۔ آپ کو اِس پاک مقدس فہرست میں حاضر، ناظر نام نہیں ملیں گے۔ کیا ظلم ہے کہ لوگ اپنی طرف سے اللہ ربّ العزّت کو دو مزید نام عطا کرنے کی جرأت کریں اور جو کوئی اِن کے ان نئے ناموں سے اللہ کو پکارے اور اللہ کے حق میں ان ناموں کو خاص تسلیم نہ کرے اس کو یہ لوگ اُلٹا مشرک اور بدعتی کہتے ہیں۔

اللہ ربّ العزّت کو ہم علیم و خبیر، سمیع و بصیر جانتے ہیں بعض لوگ معنوی لحاظ سے حاضر و ناظر دو مزید نام مذکورہ اسماء سے اخذ و اختراع کر کے اللہ تعالیٰ کو ان خود ساختہ ناموں سے پکارتے ہیں۔ پھر بھی یہ نام اللہ ربّ العزّت کے حق میں خاص نہیں کہلائیں گے۔ کیونکہ حاضر و ناظر ناموں کے اصول و بنیادی اسماء کی نسبت جب غیر اللہ کی طرف ہوتی ہے اور قرآنِ مجید نے

ان اسمار کی اضافت ماسوی اللہ کی طرف کی ہے تو پھر ان اسمائے عامہ سے جو نئے دو نام نکالے جائیں گے ان پر خصوصیت و تعین کا حکم کیونکر لگایا جا سکتا ہے۔ نیز حاضر و ناظر جیسے نئے ناموں کو خاصۂ باری تعالٰے کہنا حدیثوں اور واقعات کے سراسر خلاف ہے۔

ملک الموت ہر جاندار کے لیے حاضر و ناظر ہے۔ اور اسی کتاب میں آگے چل کر آپ پڑھیں گے کہ اللہ رب العزّت نے ایک فرشتہ اس کام کے لیے پیدا کیا ہے کہ وہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آستانۂ عظمت میں متعین ہے اور اس فرشتے کی خاص صفت یہ ہے کہ تمام خلائق کے نام مع ولدیت اس کو معلوم ہیں۔ جب کوئی مومن کہیں سے بھی حضور پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے وہ پیش کار بارگاہِ نبوّت فرشتہ روضۂ انور ہی سے روئے زمین پر پھیلے ہوئے تمام مومنین کی صلوٰۃ وسلام سُن لیتا ہے اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں سلام بجالانے والے کے سلام کو نام و ولدیت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

اسی طرح جو فرشتہ لوگوں تک رزق پہنچانے پر متعین ہے اس کی نگاہ کے سامنے ہر کہ ومہ اور ہر جاندار ہر وقت موجود ہیں اور تمام لوگوں کو پورے علم و وثوق کے ساتھ رزق پہنچاتا ہے۔ لہٰذا حاضر و ناظر ہونے سے وہ فرشتہ رزق خدا نہیں بن گیا۔

جو فرشتہ ابر و باراں پر متعیّن ہے تمام کرۂ زمین اس کی نگاہ میں ہے۔ حکم و مصلحت الٰہی کے مطابق وہ پانی برساتا ہے۔ حاضر و ناظر ہونے سے

خدا نہیں بن جاتا۔

ہر میت سے قبر و برزخ میں ربوبیت و رسالت کے متعلق نکیرین سوال کرتے ہیں اور بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسالت کے سوال کے وقت نکیرین حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اگر نکیرین بیک وقت ہر میّت کے پاس موجود ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی مشار الیہ بن کر نظر آئیں تو اس حاضری و ناظری حضور و نظر سے حضور و نکیرین خدا نہیں بن گئے۔ آغاز بعثت میں حضور نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی اکیلی ذات سے تمام زمین۔ تمام فضا اور تمام آسمان کو محیط ہیں۔ جس طرف بھی حضور نظر اٹھاتے ہیں جبرئیل ہی جبرئیل دکھائی دیتے ہیں اور آپ کو خطاب کر کے کہتے ہیں یا محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) انا جبریل و انت رسول اللہ تو کیا اس محیط اور حاضر و ناظر ہونے سے جبرئیل خدا بن گئے؟

حقیقت یہ ہے کہ حاضر و ناظر نہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰے ہیں، اور نہ معنےٰ کے لحاظ سے یہ اللہ جلّ مجدہٗ کے حق میں خاص ہیں جبکہ جبرئیل امین سے لے کر آپ کے آستانے پر متعین پیش کار فرشتے تک حاضر و ناظر ہیں۔ غور فرمایئے کہ جب پیش کار دربار حاضر و ناظر ہو تو خود سرکار دربار کا کیا مقام ہوگا۔ اِس مسئلے کو سمجھنے کے لیے سَلِّمُوا تَسْلِیْمًا اور دور و نزدیک سے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کی تعلیمات و روایات کافی ہیں۔

جب تک زندہ ہیں بصیغۂ خطاب حضور پر سلام بھیجتے ہیں اور مرنے کے بعد قبروں میں حضور کو دیکھ کر تصدیق رسالت کریں گے۔ آمین آمین آمین

نہ اس عالم میں حضور پر بصیغۂ خطاب سلام عرض کرنا خلافِ شریعت ہے اور نہ عالمِ آخرت میں ہر میّت کے لیے ایک ہی آن و لمحہ میں حضور کا دیدار مبارک محال و خلافِ شرع ہے۔

جب نماز میں حضور کو مخاطب کر کے سلام عرض کرتے ہیں تو خارج نماز مخاطبت میں کیا استحالہ یا فسادِ عقیدہ کی گنجائش باقی رہتی ہے ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔ کہ شمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

اگر یہ قوت و قدرت خاصّہ باری تعالیٰ ہوتی، تو غیر اللہ اس سے متّصف نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا دور و نزدیک کا دیکھنا اور سننا خاصّہ باری تعالےٰ نہیں رہا۔ اگر قرآن و حدیث کی روشنی میں کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو حاضر و ناظر ماننے اور اُن پر حضور و خطاب کے صیغے سے صلوٰۃ وسلام بھیجے تو ہرگز بدعتی و مشرک نہیں کہلائے گا بلکہ منکرین افراد بدعت و ضلالت میں ماخوذ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اور اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کی تعلیم و ہدایت کی مخالفت پر اڑے ہوتے ہیں۔

دوسری دلیل: یہ کہنا کہ یَا نَبِیُّ سَلَامٌ عَلَیْكَ کے کلمہ کے ساتھ عرضِ سلام کی روایت نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ قرآن مجید ہی سے۔

یہ دلیل تو پہلے سے بھی زیادہ لغو ہے۔ کیونکہ نماز میں صلوٰۃ و سلام کی دو صورتیں ہیں یکم تشہد اور درودِ ابراہیمی۔ دوم۔ قنوتِ حسن۔ لیکن نماز سے باہر صلوٰۃ وسلام کے متعدد طریقے ہیں۔ ان میں سے کسی کو متعیّن نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ صلوٰۃ و سلام کی اہمیّت اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے اور طرزِ ادا میں

ہر شخص آزاد ہے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں اور سلف سے خلف تک مروّج پاتے ہیں کہ جب کبھی حضور کا نام پاک لینا ہو تو کتابوں میں لکھتے ہیں اور زبان سے دُہراتے ہیں "صلّی اللہ علیہ وسلّم" اور آج تک کسی طرف سے اس کو بدعت نہیں کہا گیا حالانکہ جتنی روایتیں اس سلسلے میں ہیں، ان میں کسی جگہ اس طرح صلوٰۃ و سلام مروی نہیں ہے۔

الحاصل۔ ہم سب صلوٰۃ و سلام کے پابند ہیں اور خارج نماز کسی خاص طریقے کا تعیّن نہیں ہے۔

سلام مخاطب

سلام کی اصل پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اصل میں عرضِ سلام خطاب کے صیغے میں بہتر ہے۔ چنانچہ جب آپ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بہ صیغۂ خطاب سلام کرتے ہیں۔

آپ جب کسی دور دراز میں مقیم دوست یا عزیز کو خط تحریر فرماتے ہیں تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ (بہ صیغۂ خطاب) لکھتے ہیں۔

آپ ٹیلی فون پر گفتگو کرتے ہیں تو بہ صیغۂ خطاب سلام کے بعد گفتگو شروع کرتے ہیں۔

آپ جب کسی امریکی یا انگلستانی دوست کو ٹیلی فون یا وائرلیس کے

ذریعے مخاطب کرتے ہیں تو بہ صیغۂ خطاب اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں۔ حالانکہ ان تمام صورتوں میں آپ کا مخاطب ہزاروں میل کے فاصلے پر ہوتا ہے مگر خط کے سلسلے میں آپ ڈاک خانے کے نظام پر اعتماد کرتے ہیں، حالانکہ کبھی خطوط ضائع بھی ہو جاتے ہیں۔ ٹیلی فون میں برقی تاروں پر اور وائرلیس میں برقی لہروں پر آپ کا یقین ہے، لہٰذا آپ غائب کو حاضر ماننے سے مشرک نہیں بنتے۔

اسی طرح کوئی شخص اپنے گھر میں اندرونِ خانہ بیٹھا ہو، آپ دیوار کے پیچھے اور دروازے کے باہر سے بہ صیغۂ خطاب اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں کیونکہ قرآن و حدیث نے یہی سکھایا ہے اور یہ جرم نہیں ہے۔

پھر کیا بات ہے کہ آپ یا نبی سلام علیک کو شرک و بدعت کہیں اور حاضر و ناظر کا جھگڑا کھڑا کریں جب کہ آپ کے اِن مادّی ذرائع سے زیادہ قابلِ یقین ذریعہ فرشتوں کا ہے۔ ایک فرشتہ تو حاضر و ناظر بن کر روضۂ انور پر متعین ہے۔ دوسری جماعت سیّاحین فرشتوں کی ہے جو ہر جگہ سے درود و سلام کے پیغام جمع کرتے اور حضور کی خدمتِ اقدس میں پہنچاتے ہیں اور حضور سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قوت و قدرت۔ لطافت و نورانیت تمام فرشتوں کے مقابلے میں بے اندازہ زیادہ ہے۔ آپ مقامِ دنیٰ کے سیّاح، قابِ قوسین کے تاجدار اور بالائے عرش صاحبِ عرش کے مہمان رہ چکے ہیں۔ جہاں حضرت جبرئیل علیٰ نبیّنا علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بھی رسائی نہیں ہے۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بہ سوزد پرم

جن لوگوں کو حضور سے محبّت ہے، اُن کے دل عرضِ سلام کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام کے حلقے قائم کرتے ہیں۔ محفلیں منعقد کرتے ہیں، تنہا صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں، مگر محبوب کی یاد سے غافل نہیں رہتے اور دوسروں کو بھی محبوب کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے۔

رَبِّ سَلِّمْ ! علیٰ رَسُوْلِ اللّٰہ

مَرْحَبا ! مَرْحَبا ! رَسُوْلِ اللّٰہ

احادیثِ نبویّہ

آیتِ قرآنی صَلُّوْا و سَلِّمُوْا کے متعلق اصول و قواعد سے بحث کرنے کے بعد ضروری ہے کہ کچھ حدیثیں حوالے کے ساتھ پیش کر دی جائیں تاکہ حکمِ الٰہی کو حدیثوں کی مدد سے سمجھنے میں آسانی ہو۔ صلوٰۃ و سلام کی صحیح اہمیت معلوم ہو اگر کسی کے دل میں صلوٰۃ و سلام کی کثرت، صلوٰۃ و سلام کی محفل و حلقہ کے بارے میں کوئی تذبذب اور شک ہے تو ہمیشہ کے لیے دُور ہو جائے اور ہم تمام لوگ دنیا و آخرت میں حضور سیّدِ عالم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے قرب و نزدیکی کی سعادت حاصل کر کے ناجی و کامیاب ہوں۔

اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ واقعۂ معراج کی محض نقل و حکایت ہے یا فرمانِ الٰہی وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی اپنی طرف سے شعور و ارادہ کے ساتھ تعمیل و اطاعت ہے۔

حدیث ۱:۔ عَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ عَلِمْنَا اَوْ عَرَفْنَا کَیْفَ السَّلَامُ عَلَیْكَ؟ فَکَیْفَ الصَّلٰوۃُ؟ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ...... حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

توجمہ: حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ بولے ہم لوگوں نے کہا یا رسول اللہ بے شک ہم سب جان چکے ہیں یا معلوم ہے کہ کس طرح آپ پر سلام عرض کریں۔ صلوٰۃ کس طرح ہے فرمایا تم سب کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی

مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ..... اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ - درودِ ابراہیمی)

حدیثِ مذکور میں "عَلِمْنَا کَیْفَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ" ہم جان چکے ہیں کہ کس طرح آپ پر سلام بھیجا جائے"۔ اس حقیقت کی وضاحت کرتا ہے کہ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر صحابۂ کرام جو آپ پر بہ صیغۂ خطاب سلام بھیجتے تھے وہ نقل و حکایت نہ تھی بلکہ اپنی طرف سے ارادہ و نیّت کے ساتھ سلام بھیجتے تھے اور اس طرزِ عمل کو سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کے اعلان میں برقرار رکھا گیا۔ صحابۂ کرام صلوٰۃ یعنی درود بھیجنے کے طریقے سے ناواقف تھے۔ للہذا فرمان الٰہی صَلُّوْا کی تعمیل و اطاعت کی راہ معلوم کرنے کے لیے یہ حضرات حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے درودِ ابراہیمی تعلیم فرمائی۔

چنانچہ تمام محدثین اور سارے فقہا اور شارحین حدیث عَلِمْنَا کَیْفَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ سے تشہد میں مذکور اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ ہی مراد لیتے ہیں اور بہ صیغۂ خطاب بارگاہِ رسالت میں عرض سلام کو نمازیوں کا عمل قرار دیتے ہیں۔

دوسری روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ درودِ ابراہیمی کا اصل مقام نماز میں تشہّد کے بعد ہے بہ الفاظِ دیگر درودِ ابراہیمی تشہد کا تتمہ و تکملہ ہے۔ نماز سے باہر صلوٰۃ و سلام کی کوئی معیّن صورت نہیں ہے بلکہ مومنین کو آزادی ہے کہ اپنی سہولت کے پیشِ نظر جن کلمات میں چاہیں بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ و سلام بھیجیں۔ صرف یہ لحاظ رہے کہ اس بارگاہ رفعت پناہ کی

تعظیم و احترام میں کوئی فرق نہ آئے۔ مذکورہ بالا روایت حدیث کی تمام کتابوں میں ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہا۔

حدیث[۲]: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اِذَا تَشَھَّدَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَلْیَقُلْ اَلْحَدِیْث (حاکم۔ مستدرک۔ سنن بیہقی)

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی شخص تشہد پڑھ چکے تو یہ کہنا چاہیئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ..... حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اِس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ درودِ ابراہیمی کا اصل موقع نماز ہے اور وہ بھی تشہد کے جزوِ ثانی کی حیثیت سے کیونکہ تشہد سلام کو شامل ہے اور درود ابراہیمی صلوٰۃ ہے اور دونوں مل کر صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما کی راہ متعین کرتے ہیں۔ صلوٰۃ کے لیے کوئی صیغہ بھی اختیار کریں مگر سلام کے لیے حضور و خطاب بہتر ہے۔ اس روایت کی سند میں ایک شخص "حارثی" ہے جس کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ مگر پہلی روایت کے ساتھ اس روایت کی معنوی وابستگی استناد و قبول کے لیے کافی ہے۔

حدیث[۳]: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ..... کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ اِذَا نَحْنُ صَلَّیْنَا عَلَیْکَ فِیْ صَلٰوتِنَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ فِیْ صَلٰوتِنَا۔

(ابن حبان[۱]۔ حاکم[۲]۔ بیہقی[۳]۔ ابن خزیمہ[۴]۔ دار قطنی[۵])

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت

ہے کہ صحابہ نے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے دریافت کیا کہ ہم لوگ کس طرح آپ پر درود بھیجیں، جب ہم درود بھیجیں آپ پر اپنی نمازوں میں؟ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ کس طرح ہم لوگ درود بھیجیں آپ پر اپنی نمازوں میں؟ تو آپ نے درودِ ابراہیمی تعلیم فرمایا اور تشہد کے ساتھ اس کو تکملہ قرار دیا۔ اس روایت میں تصریح آگئی ہے کہ درودِ ابراہیمی کا اصل موقعہ نماز ہے اور وہ بھی تشہد کے تتمے اور ضمیمے کی حیثیت سے تاکہ "صلوا علیہ وسلموا تسلیما" کی نماز میں تعمیل ہو سکے۔

حدیث: قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن حبّان۔ حاکم)

ترجمہ: حضور نے فرمایا: بخیل وہ ہے جس کے نزدیک میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

حضور کا نام سن کر آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا عام حکم ہے چنانچہ جو لوگ نمازوں میں درود واجب کہتے ہیں وہ اس منشورِ عام کی بنا پر تشہد کے ساتھ درود پڑھنا فرض قرار دیتے ہیں کیونکہ تشہد کے اندر شہادتین میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا نامِ پاک زبان پر آچکا ہے اور بخیلی کی سزا سے بچنا ضروری ہے۔ فقہاء و محدثین کے اِس استدلال کی بناء پر اذان کے بعد بھی دعائے وسیلہ سے پہلے صلوٰۃ وسلام ضروری ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں معلوم ہوگا۔

اذان کے بعد "متصلاً" درود بھیجنے کی صریح روایت بھی موجود ہے۔

صلعم کا گناہ

خدارا اس روایت کو دینی شعور اور ایمانی احساس کو بیدار کر کے پڑھیئے اور بار بار پڑھیئے جو لوگوں میں رواج پا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے بعد صلوٰۃ و سلام نہیں لکھتے ہیں اور اپنی سہولت کے لیے صلعم لکھ دیتے ہیں۔ کیا بارگاہِ رسالت میں اپنی بخیلی کا اظہار نہیں ہے؟ اللہ رب العزت نے اس بارگاہ رفعت کے جو آداب سکھائے ہیں تعظیم و توقیر کا حکم دیا ہے اور صلوٰۃ و سلام کا فرمان نافذ کیا۔ کیا یہ لفظِ صلعم اس کے خلاف نہیں ہے؟ صلعم کسی زبان کا معتبر لفظ نہیں ہے۔ یہ سہل انگاروں اور بخیلوں کی اپنی اختراع ہے۔ لہٰذا نام پاک کے بعد صلعم لکھ کر یہ سمجھنا کہ فرمان صلوا علیہ وسلموا تسلیماً کی تعمیل ہو گئی اور سزائے بخل سے محفوظ ہو گئے سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ کامل صلوٰۃ و سلام نہیں لکھتے اور مخفف الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ وقت، محنت، کاغذ اور روشنائی بچائیں اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ اس بخل کی اگر کوئی اور سزا بھی نہ ملے صرف اتنا ہو کہ بروز قیامت آپ شفاعت میں کمی کریں تو ان تخفیف کرنے والوں کا کیا حال ہو گا؟

افسوس کا مقام ہے کہ صلعم کا استعمال ایک گناہِ عام بن گیا ہے عالم و عامی بکثرت اس میں مبتلا ہیں جس نے اس رسمِ بد کی بنیاد ڈالی اس

کا کیا حال ہوگا؟ برصغیر ہندو پاک میں یہ بدعت سیئہ ندوہ کی لائی ہوئی ہے۔
ایک طرف فرمانِ صلوٰۃ کے لیے قرآن نے اللہ و ملائکہ کی صلوٰۃ کو بطورِ تمہید پیش کیا اور حکمِ سلام کو مفعول مطلق کے ذریعے مؤکد کیا دوسری طرف مدعیانِ ایمان کا یہ حال ہے کہ منشاءِ قرآنی کو نظر انداز کر کے صلعم کا بے معنی لفظ انہوں نے اپنی طرف سے ڈھال لیا اور یہ جعلی سکہ بازاروں میں چلا دیا۔ خود بھی ڈوبے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی لے ڈوبے۔
اگر بہ نگاہِ غائر دیکھا جائے تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نامِ پاک کے ساتھ ایک بے معنی اور مہمل لفظ لکھنا صرف قرآن و حدیث کی مخالفت ہی نہیں ہے بلکہ نامِ پاک کی توہین ہے۔ کون بندۂ مومن نامِ پاک کی توہین کرے گا۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نامِ پاک کے ساتھ سلام و صلوٰۃ میں کوتاہی کا نتیجہ صرف فتوائے بخل نہیں ہے بلکہ آئندہ حدیثوں میں دیکھیں گے کہ ایسے غافل کے حق میں جبریل امین نے جنّت سے محرومی کی دعا کی اور حسبِ فرمانِ الٰہی حضور سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آمین کہی۔

حدیث۵: قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِطُھُوْرٍ وَالصَّلٰوۃِ عَلَیَّ۔ (دار قطنی بیہقی)

ترجمہ: حضور علیہ السّلام کا ارشاد ہے کہ نماز مجھ پر درود و وضو کے بغیر نہیں ہوتی۔

اس روایت میں عمرو اور جابر جعفی دو ایسے راوی ہیں جن پر محدّثین کو

اعتبار نہیں ہے۔ لیکن یہ روایت بھی صحیح روایتوں کے ہم معنی ہے لہٰذا شواہد کی حیثیت سے قابلِ قبول ہے۔

رہی یہ بات کہ نماز میں درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے تو یہ بات اگلی روایتوں سے واضح ہو چکی کہ درودِ ابراہیمی تشہد کے تکملہ کی حیثیت سے پڑھنا چاہیئے۔

حدیث: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ ..... قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً لَمْ یُصَلِّ فِیْھَا عَلَیَّ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِیْ لَمْ تُقْبَلْ مِنْہُ (دار قطنی)

ترجمہ: امام زین العابدین کے صاحبزادے امام محمد باقر راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کسی نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میرے اہل بیت پر اس نماز میں درود نہیں بھیجا تو اس کی وہ نماز قبول نہیں کی جائے گی۔

حدیث: عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ صَعِدَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ المنبر فَقَالَ اٰمِیْنُ اٰمِیْنُ فَلَمَّا نَزَلَ سُئِلَ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ الْحَدِیْث۔ (بزاز)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ راوی ہیں کہ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف لے گئے اور آمین آمین کہا تو جب آپ اُترے تو اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے (پوری حدیث آئندہ آرہی ہے)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن ابان ہے جو معتبر نہیں

ہے مگر دوسری معتبر حدیثوں اور معتبر سندوں سے اس روایت کے مضمون کی تائید ہوتی ہے لہٰذا محدّثین کے اصول پر قابلِ قبول ہے۔

حدیث۸: عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ احضروا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى دَرَجَةً قَالَ اٰمِيْن فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ قَالَ اٰمِيْن فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ قَالَ اٰمِيْن فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ، قَالَ إِنَّ جِبْرِيْلَ عَرَضَ لِي فَقَالَ بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ۔ (حاکم)

حاکم نے اپنی مستدرک میں یہ حدیث حضرت ،بن عجرہ سے روایت کی ہے کہ حضور ممبر پر تشریف لے جاکر تین بار آمین کہہ کر اُتر آئے۔

(پوری حدیث دوسری سند سے آئندہ آرہی ہے)

حدیث۹: صعد رسول اللّٰہ صلّے اللّٰہ علیہ وسلّم المنبر فلما رقی عتبتہ قال اٰمین ثم رقی اخری فقال اٰمین ثم رقی عتبتہ ثالثۃ فقال اٰمین ثم قال اتانی جبریل فقال یا محمّد (صلّے اللّٰہ علیہ وسلّم) من ادرک رمضان فلم یغفر لہٗ فابعدہٗ اللّٰہ فقلت اٰمین۔ ومن ادرک والدیہ

اواحدھما فدخل الناس فابعدہ ۔ قال و من ذکرت عندہ فلم یصل علیک فابعدہ اللّٰہ قل آمین فقلت آمین۔

(صحیح ابن حبان)

ترجمہ: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم ممبر پر تشریف لے گئے تو جب پہلے زینے پر قدم رکھا، فرمایا آمین۔ پھر دوسرے زینے پر قدم رکھا تو فرمایا آمین پھر تیسرے زینے پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ بعدہ ارشاد ہوا کہ میرے پاس جبریل آئے اور کہا کہ اے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے اور اس کی مغفرت نہ ہوئی تو اللہ اس کو رحمت سے دور رکھے میں نے کہا۔ آمین۔ اور جو کوئی والدین یا ان میں سے کسی ایک کا زمانہ پائے پھر بھی جہنم میں گیا تو اللہ اس کو رحمت سے دور رکھے۔ میں نے آمین کہی۔ جبریل نے کہا کہ جس کے سامنے آپ کا ذکر آئے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے تو اللہ اس کو رحمت سے دور رکھے۔ کہیئے آمین۔ تو میں نے آمین کہی۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کا روزہ اور اس ماہ کے حقوق کی نگرانی فرض ہے اور نتیجے میں مغفرت ضرور ہوتی ہے جس کا دفتر گناہ رحمت کی اِس موسلا دھار بارش میں بھی نہ دُھلا اُس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں۔

اسی طرح از روئے قرآن والدین کی اطاعت ، ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا فرض ہے اور نتیجے میں جنّت ملتی ہے۔ جس کسی کو والدین کی خدمت کا موقع ملا پھر بھی اپنی بدنصیبی سے جہنّم ہی کا مستحق رہا تو اس سے زیادہ بدبخت اور بدنصیب کون ہے۔

تیسری بددعا کا رُخ اس شقی کی طرف ہے جس کے سامنے حضور صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے اس بددعا پر جناب رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام متامل ہوئے۔ لیکن جبریل نے قل ''وکیئے،، کہہ کر آپ کی زبان سے آمین کہلائی۔

اگلے دونوں مسائل کے ساتھ اس تیسرے مسئلے کو رکھ کر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ درود وسلام بھی انہی جیسا فریضہ ہے۔ درود وسلام سے جنت یقینی ملتی ہے اور غافل وقصوروار پر شقاوت کی مہر لگتی ہے کیونکہ غافلوں کے حق میں جبریل کی بددعا اور رحمۃ للعالمین کی آمین ہے۔

غور فرمائیے کہ جو لوگ صلوٰۃ وسلام سے غفلت کرتے ہیں یا ایک مہمل، بے معنی لفظ صلعم پر معاملے کو ٹال دیتے ہیں کتنے اندوہناک خسارے میں ہیں۔

چنانچہ محدثین وفقہا کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لینے، سُننے اور لکھنے کے بعد صلوٰۃ وسلام فرض ہوجاتا ہے۔

حدیث ۱۰: عَنِ ابْنِ عَبَّاس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ارْتَقَی عَلَی الْمِنْبَرِ۔ الحدیث (طبرانی)

مذکورہ بالا روایت محدث طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس کی سند سے روایت کی ہے۔

حدیث ۱۱: محدث ابن خزیمہ نے بھی مذکورہ حدیث اپنی کتاب میں روایت کی ہے۔

حدیث ۱۲: ترمذی بھی اسی مضمون کی حدیث اپنی کتاب میں روایت کرتے ہیں۔ مگر ممبر پر آمین کہنے کے بدلے الفاظ دوسرے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَکَ عِنْدَہٗ اَبَوَیْہِ الْکِبَرُ فَلَمْ یُدْخِلَاہُ الْجَنَّۃَ۔ (ترمذی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے رمضان آ کر گزر گیا اس سے پہلے کہ اس کے گناہ معاف ہوں اور اس کی ناک خاک آلود ہو جو والدین کے بڑھاپے کو پائے اور وہ دونوں اسے جنت میں داخل نہ کرائیں۔

حدیث ۱۳: قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَبْخَلِ النَّاسِ؟ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! قَالَ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ فَذٰلِکَ اَبْخَلُ النَّاسِ۔ (ابن ابی عاصم)

ترجمہ: حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! کیا میں تم کو نہ بتادوں کہ سب سے زیادہ بخیل کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ وہی شخص سب سے زیادہ بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر صلوٰۃ نہ بھیجے۔

غور فرمائیے کہ جو لوگ بخل کی وجہ سے دنیاوی مال و متاع میں مساکین کے حقوق ادا نہیں کرتے ان کے بارے میں قرآن مجید سخت سزاؤں کا اعلان کرتا ہے۔

لیکن صلوٰۃ و سلام میں بخل کرنے والے اور اللہ کے حبیب کا حق ادا نہ کرنے والے جب صادق و امین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبان میں سب سے زیادہ بخیل ہیں تو ان بدترین بخیلوں کا کہاں مقام ہوگا۔

حدیث ۱۴: میں غافلوں کو بخیل کہا گیا اور اس روایت میں البخل کا لفظ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تارکین درود و سلام کو محض ناراضگی کی وجہ سے بخیل و ابخل نہیں کہا جا رہا ہے بلکہ بخل کے پست ترین مقام میں واقعی ان کو رکھنا مقصود ہے۔

حدیث ۱۵: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ شَقِیٌّ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ (طبرانی)

ترجمہ: ارشاد ہے کہ وہ شقی و بدبخت ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

حدیث ۱۶: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَخَطِیَ الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ خَطِیَ طَرِیْقَ الْجَنَّۃِ۔ (طبرانی، ابن ماجہ، ابن ابی عاصم)

ترجمہ: حضور سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر صلوٰۃ بھیجنے میں غلطی کی تو وہ راہ جنّت سے بھٹکا۔

حدیث ۱۷: عَنْ عَلِیٍّ قَالَ کُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰی یُصَلِّیَ عَلَی

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (طبرانی)

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے فرمایا کہ ہر دعا، حجاب میں رہتی ہے تاآنکہ سیدنا حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجا جائے۔

حدیث[۱۸]: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلٰى نَبِيِّكَ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ بے شک دعائیں آسمان اور زمین میں معلّق رہتی ہیں، اِن میں سے کچھ بھی اوپر نہیں جاتیں تاآنکہ تمہارے نبی (صلّی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیج دیا جائے۔

ایک نکتہ

قرآن مجید میں جو ارشاد ہے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اللہ کی طرف کلماتِ طیّبات صعود کرتے ہیں سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام ہی کلماتِ طیّبہ کی اصل ہے۔ کیونکہ دعائیں جنہیں حدیثوں میں عبادت کا جوہر و مغز کہا گیا ہے اور قرآن میں اصل عبادت قرار دی گئی ہیں، بارگاہِ صمدیت میں رسائی کے لیے صلوٰۃ وسلام کی محتاج ہیں۔ اس کے بغیر سندِ قبول تو کیا حاصل

کریں گی۔ اس رفیع الشان آستانے کی طرف صعود بھی نہیں کرتی ہیں۔
بہ الفاظِ دیگر دعائیں عبادت ہیں اور عبادت کی جان وروح صلوٰۃ و سلام ہے۔ حق ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تک مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بغیر رسائی کا خیال کفر و بے دینی ہے۔

خلاصہ

مذکورہ بالا حدیثوں اور آیاتِ قرآنی سے صلوٰۃ و سلام کے متعلق حسبِ ذیل ہدایات ملتی ہیں۔

۱۔ قبولِ دعا کے لیے صلوٰۃ و سلام ضروری ہے۔

۲۔ نماز صلوٰۃ و سلام کے بغیر نہیں ہوتی یا مقبول نہیں ہوتی۔

۳۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ پاک جب لیا جائے تو ذاکر و سامع سے جو کوئی بھی صلوٰۃ و سلام ترک کرے گا عذاب کا مستحق ہوگا۔

۴۔ خارج نماز صلوٰۃ و سلام کا معین طریقہ نہیں ہے۔

ا :۔ صلوٰۃ و سلام بالجہر یعنی کھلی آواز سے بھی درست ہے۔

ب :۔ بالسر یعنی آہستہ بھی صلوٰۃ و سلام درست ہے۔

ج :۔ بصیغۂ ماضی اور بصیغۂ امر یعنی دعا جملہ فعلیہ، انشائیہ اور اسمیہ کی صورت میں بھی صلوٰۃ و سلام جائز ہے مثلاً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ سَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ۔ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ عَلَیْہِ۔ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ یا۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

د:۔ بہ صیغہ خطاب بھی صلوٰۃ وسلام درست ہے اور بصیغہ غائب بھی جائز ہے۔

ھ:۔ درود ابراہیمی دراصل تشہد کے سلام اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کا تتمہ وتکملہ ہے۔

و:۔ درود ابراہیمی کا اصل محل نماز ہے۔

ن: تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ محض حکایت ونقل نہیں ہے بلکہ ہر نمازی بالارادہ اپنی طرف سے حضور انور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر سلام بھیجتا ہے اور سلام بھیجنے کا یہ طریقہ صحابہ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سکھایا تھا۔

کیونکہ صحابہ کا کہنا قَدْ عَلِمْنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْكَ (بیشک جان چکے کہ ہم کس طرح آپ پر سلام بھیجیں) سے واضح ہوگیا کہ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ صحابہ کی طرف سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر سلام بھیجا جارہا ہے۔ لہٰذا بصیغہ خطاب یا نبی سلام علیك۔ یاحبیب سلام علیك۔ یارسول سلام علیك۔ صَلَوٰۃُ اللّٰہ عَلَیْكَ۔ کو آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم پر سلام بھیجنے کا ناپسندیدہ طریقہ۔ غیر شرعی اور غیر مستحسن طریقہ کہنا بالکل غلط ہے اور اس خصوص میں حاضر وغائب کا جھگڑا کرنا صحابہ کی متفقہ روش سے علیحدگی ہے کیونکہ صحابہ کرام حضور علیہ السّلام

کے سامنے اور آپ کی غیبت میں فرمانِ الٰہی "سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کی تعمیل اپنی تمام نمازوں میں تشہد کے اندر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کے کلمات ہی سے کرتے رہے اور کبھی حضور کی عدم موجودگی وغیبت کا ان کے دل میں خیال تک نہ آیا۔ وفاتِ نبوی کے بعد اگر کوئی کسی شاذ روایت میں جس کی سند بھی معتبر نہ ہو کسی ایسی بات کا پتہ دے کہ دو ایک افراد نے بطورِ خود تشہد میں سے خطاب کا کلمہ "علیك" نکال دیا تھا تو ایسی روایتیں اِن صحابی اور تابعی پر اتہام کی حیثیت رکھتی ہیں۔

امام بخاری نے تشہد اور مصافحہ کے آداب میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کو حضور نے مصافحہ کی حالت میں جو دونوں ہاتھوں سے تھا تشہد کی تعلیم دی جس میں السّلام علیك ایہا النبیّ ہے اب اس سے آگے حضرت ابن مسعود کا اپنا بیان ہے کہ حضور علیہ السّلام کی وفات کے بعد ہم لوگ السلام علیك ایہا النبیّ کے بدلے السّلام علی النبیّ کہنے لگے۔ محدثین کے اصول سے السلام علی النبی کا اضافہ معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا تعلیم کردہ تشہد و سلام تو متعدد راویوں اور ۲۴ صحابہ سے مروی ہے۔ لیکن حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بعد ترمیم سے متعلّق متن حدیث میں اضافے کی تائید کسی اور روایت سے نہیں ہوتی لہٰذا روایت مشہورہ سے علیحدگی اور نقرہ کی تائید جب تک شواہد و متابعات سے حاصل نہ ہو، وہ اضافہ مقبول نہیں ہے۔

بعض غیر مقلدین آج کل السّلام علی النبیّ اختیار کرتے ہیں۔ خدا معلوم

ان کا یہ فعل کن جذبات کی طرف اشارہ کر رہا ہے مگر روایت مشہورہ سے علیحدگی اور کسی ایک بیان کا اصل روایت میں اندراج یا اضافہ جس کی کسی دوسری صحیح روایت سے تائید نہیں ہو رہی ہو اور یہ اضافہ صرف صریح تعلیم نبوی کے خلاف ہو اور منشاء قرآنی سے الگ ہو کر اختیار کرنا غیر مقلد کی شان تو ہو سکتی ہے کسی اہلحدیث کا مذہب نہیں ہو سکتا۔ مزید تعجب ہے کہ اس روایت میں جس قدر حصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہے غیر مقلدین اس کو خلاف سنت کہتے ہیں مثلاً "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرمایا اور اس مصافحہ کی حالت میں سیدنا عبداللہ بن مسعود کو تشہد کی تعلیم دی۔ غیر مقلدین نہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو سنت کہتے ہیں اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلیم کردہ تشہد کو اختیار کرتے ہیں اور بعد کے کسی راوی کے الحاق پر دھیان دیتے ہیں اور اس کو اپنا مذہب بناتے ہیں۔ خود امام بخاری نے اس حدیث سے دونوں ہاتھوں کا مصافحہ ثابت کیا۔ حدیث سے پہلے کتاب کا عنوان "دونوں ہاتھوں سے مصافحہ" قرار دیا۔ ان کا اپنا طریقہ بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سابقین اسلام میں ہیں۔ جب یہ ایمان لائے تو اس وقت روئے زمین پر کل ۶ مسلمان تھے۔ قرآن و حدیث کے علم میں بہت ممتاز تھے۔ حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ لوگ عبداللہ بن مسعود سے دین کی تعلیم اور قرآن کا علم حاصل کریں حضرت عمر نے اپنی خلافت میں عبداللہ بن مسعود کو کوفہ میں قرآن و حدیث کی تعلیم

کے لیے مقرر کیا حضرت علی و عثمان کے زمانے میں بھی یہ قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ کی فقہ و مذہب انہی عبداللہ بن مسعود کی تعلیمات اور روایتوں پر قائم ہے جس کو غیر مقلدین مانتے ہیں وہ بھی دو حنفی محدثین سے مستند ہے اگر ان دونوں حنفیوں کا اعتبار ختم ہو جائے تو خود بخاری شریف کا اعتبار ختم ہو جائے گا کیونکہ صحیح بخاری کو امام بخاری سے علامہ فربری روایت کرتے ہیں اور اس کتاب کی تصدیق ان کے دو حنفی ساتھی اور ہم روایت کے بیان و روایت سے ہوتی ہے اگر ان دونوں حنفیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو بخاری کو، روایت صرف محدث فربری سے ہوگی اور ان کی تنہا روایت سے بخاری کا اعتبار ختم ہو جائے گا اور دونوں حنفیوں کی وجہ سے بخاری کے تین راوی ہو جاتے ہیں جس سے کتاب کا اعتبار قائم رہتا ہے۔

کیونکہ اس قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نکالی جا سکتی تھی تو بلاشبہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران تبلیغ میں بھی اس کی تفصیل و وضاحت کا موقع تھا ایسی بات تو نہیں ہے کہ تمام مسلمان بلکہ تمام صحابہ ہمیشہ حضور ہی کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، اور جب حضور سے علیحدہ کہیں دور دراز مقامات پر دینی یا معاشی اغراض کے لیے جاتے تو نمازیں ترک کر دیتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ جن صحابہ کی شان میں قرآن مجید نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (تم ان کو بکثرت رکوع و سجدہ کرنے والا دیکھو گے) یعنی صحابہ کرام کے جو اوقات بیداری طلب معاش

سے بچے رہتے تھے، ان کو وہی کاموں میں صرف کرتے تھے۔ نماز یا آستانۂ رسالت پر حاضری اور بس۔

یہ صحابہ عہدِ نبوی میں ہمیشہ بہ صیغۂ خطاب تشہد میں سلام بھیجتے تھے اور عہدِ نبوی کے بعد سب نے جس نماز کی تعلیم اوروں کو دی اس میں بھی تشہد بہ صیغۂ خطاب سلام پر مشتمل ہے پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی صاف و صریح تعلیم کے مقابلے میں کوئی صحابی اپنی طرف سے اس تعلیم میں ترمیم کر دے، اور جس کی بنیاد پر یہ ترمیم کسی صحابی کی طرف منسوب کی جا رہی ہے وہ بنیاد پورے دورِ تبلیغ میں ہمیشہ موجود رہی مگر حضور علیہ السّلام سے ایسی کسی ترمیم کی روایت منقول نہیں ہے۔ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ متفق علیہ روایتوں اور تعامل امّت کے خلاف کوئی صاحب اپنے آپ کو اہلِ حدیث و متبع حدیث کہنے کے بعد ان روایتوں میں ترمیم گوارا کریں۔ ایک طرف تو بخاری و مسلم کے مقابل دوسری کتبِ حدیث کی صحیح و مرفوع روایتوں کو قبول کرنے میں جھجکتے ہیں اور دوسری طرف غیر یقینی روایت کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ آخر یہ طریق کار دل کے کن جذبات کی غمازی کرتا ہے؟ خود عبداللہ بن مسعود نے اپنے شاگردوں کو ہمیشہ السّلام علیک ایہا النبیؐ والے تشہد کی تعلیم دی اور یہی تعلیم ان کے سلسلے کے تابعین، تبع تابعین، آئمہ و مجتہدین میں آج تک رائج ہے بالخصوص فقہائے حنفیہ اور تمام اہلِ کوفہ جن میں رہکر ابن مسعود نے دین کی تعلیم دی اسی پر وہ متعین تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وصالِ مبارک کے بعد اہلِ کوفہ کی تعلیم پر ابن مسعود مامور ہوئے تھے، چنانچہ فقہ حنفی

کا مدار ابن مسعود کی روایات و تعلیمات ہیں اور ابن مسعود سابقین اسلام میں ہیں جس وقت یہ ایمان لائے اس وقت روئے زمین پہ کل ۶ مومن تھے۔

فقہا و محدثین کی رائیں

تمام فقہا و محدثین اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ اگرچہ صلوٰۃ وسلام بزرگ ترین عبادت اور تقرب الٰہی کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ لیکن ان کے درمیان جن مسائل میں اختلاف ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) نماز میں تشہد کے بعد درود واجب ہے۔ درود کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

مذکورہ حضرات کا یہی فتویٰ ہے:

سیدنا عمر فاروق۔ سیدنا عبداللہ بن عمر۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود۔ سیدنا جابر بن زید شعبی۔ محمد بن کعب قرظی۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل۔ اسحٰق بن المواز۔ قاضی ابوبکر بن عربی۔ اور اہلبیت میں امام باقر۔ ہادی۔ قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۲) مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ جمہور امت کے نزدیک نماز میں درود واجب نہیں ہے۔ ان میں امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام ثوری۔ امام اوزاعی اور اہل بیت میں ناصر و دیگر آئمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ دونوں راؤں کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلق درود وسلام تو واجب ہے مگر محل و مقام کے تعیین میں اختلاف ہے۔

راقم الحروف جیسا کہ آغازِ کتاب میں اصولی بحث کی حیثیت سے واضح کر چکا ہے کہ فرائضِ غیر معینّہ میں یہ ایک بڑی نعمت ہے کہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل جب بھی کی جائے ہمیشہ ادا اسے فرض کا ثواب ملتا ہے اور صلوٰۃ وسلام فرائضِ غیر معینّہ میں سے ہیں لہٰذا ان کا ثواب ہمیشہ فرض صلوٰۃ وسلام کا ہوگا۔

جن ائمہ نے نماز میں تشہد کے بعد درود ابراہیمی کو فرض نہیں قرار دیا ان کے نزدیک تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ میں سلام کا کلمہ صحتِ نماز کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ وسلام جداگانہ طور پر جب بھیجے جائیں تو زیادہ فضیلت ہوگی ورنہ ہر دو کلمہ معناً ایک دوسرے کی نیابت بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا السلام علیک ایہا النبیؐ میں صلوٰۃ وسلام دونوں شامل ہو گئے اور تشہد کو نماز میں واجب کہتے ہیں صلوٰۃ کی تعلیم بعد میں دی گئی پہلی تمام نمازیں درود کے بغیر تھیں اور درست و کامل تھیں تشہد میں السلام علیک ایہا النبیؐ کافی ہے۔ درود کے اضافہ سے نماز کے ثواب اور نورانیت میں اضافہ ہوگا لہٰذا تشہد واجب اور درود سُنّت۔

وسیلہ واستعانت

عہدِ نبوی میں تمام مسلمان (صحابہ) اپنی امیدوں کا مرکز حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو سمجھتے تھے۔ بارش نہیں ہوتی ہے تو حضور علیہ السلام سے عرض کرتے ہیں اور بارش طوفانی صورت اختیار کرلے تو حضور علیہ السّلام سے

درخواست کرتے ہیں۔ اثنائے سفر میں جب بیابان وصحرا میں پانی کی حاجت ہو تو حضور علیہ السلام سے ملتجی ہوتے ہیں۔ یہی طریقہ صحابہ کا رہا اور ان کے بعد امت کا یہاں تک کہ مسلمانوں میں ایک نئی ٹولی پیدا ہو گئی اور اس نے اللہ سے اللہ کے رسول علیہ السلام کو جدا کیا۔ اولیاء کو رسول علیہ السلام سے جدا کیا اور اعلان کیا کہ اپنی حاجتیں اگر اللہ کے بندوں کے پاس لے گئے تو مشرک ہو گئے اگر اللہ کی طرف عرض حاجت میں بندوں کا توسل اختیار کیا تو مشرک ہو گئے اور حکم دیا کہ ساری کائنات کو اللہ کا غیر سمجھو اور غیر بھی ایسا جس کو خدا کی بارگاہ میں کوئی عزت اور شناسائی نہیں۔ حالانکہ یہی لوگ اپنی حاجتوں کو دنیا والوں کے پاس لے جاتے ہیں۔ کھانے، کپڑے وغیرہ کے لیے غیروں سے طالب امداد ہوتے ہیں۔

توسل و استعانت کے بغیر دنیاوی زندگی میں ایک دن بھی بسر ہونا محال ہے۔ ملازمتوں کے حصول۔ بیماری کے علاج۔ اسباب خورد و نوش۔ لباس۔ مسافت زادِ راہ الغرض دنیا میں کوئی انسان اپنی ضروریاتِ زندگی و مسائل حیات میں دوسرے انسانوں سے مستغنی نہیں بلکہ سارا نظامِ کائنات باہمی اعانت و استعانت پر قائم ہے لہٰذا استعانت بالغیر مطلقاً حرام و شرک نہیں چنانچہ حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے مجبور ہو کر بعض نادانوں نے استعانت بالغیر کی تقسیم کر دی اور فرمایا کہ دنیاوی معاملات میں تحت الاسباب استعانت جائز اور فوق الاسباب استعانت شرک ہے۔ اس طرح روزمرّہ کی زندگی میں جو ایک انسان دوسرے انسان سے طالبِ امداد ہوتا ہے۔ شرک

کی زد سے بچ جائے۔ مگر صحاح اور خود بخاری شریف کی ان روایتوں کی گرفت سے ان کو آج تک نجات نہیں ملی جن میں واقعات اور شواہد کی صورت میں یہ درج ہے کہ صحابہ کرام تحت الاسباب امور میں اپنے لیے خود سعی فرماتے اور فوق الاسباب امور میں وہ حضور علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے اقتدار رسالت سے ان کی اعانت فرماتے مثلاً گروہ صحابہ پیاس سے مضطرب ہے جانوروں کی زبانیں باہر نکل آئی ہیں۔ دُور دُور تک پانی کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ بالآخر مجبور ہو کر حضور علیہ السّلام سے طالب اعانت ہوئے اور آپ نے طشت منگوا کر اس میں دستِ مبارک رکھا۔ انگشتہائے مبارک سے پانی کے فوارے اُبلنے لگے یہ اعانت اور استعانت فوق الاسباب تھی اور واقعہ نبی وصحابہ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسّلام کا ہے جو توحید کے معلّم اور اس کی حقیقت سے آشنا ہیں۔ قرآنِ مجید نے صحابہ کرام کو معیاری مومن اور ایمانداری کی کسوٹی کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ استعانت بالغیر مطلقاً حرام شرک نہیں ہے بلکہ تحت الاسباب استعانت مومن وکافر ہر ایک سے جائز ہے۔ ہاں فوق الاسباب استعانت صرف اللہ اور اللہ والوں سے درست ہے کوئی شخص کافر ڈاکٹر سے علاج کے لیے رجوع کرے تو درست ہے لیکن اگر کسی جوگی، راہب، پادری وغیرہ کو وسیلہ دعا بنائے یا ان سے فوق الاسباب امداد چاہے تو یہ حرام وشرک ہے کیونکہ اس سے کفر کی تعظیم اور کافر کو اللہ کا مقرب ماننا پڑے گا جو قرآن وسنت کے سراسر خلاف ہے بلکہ کفار اللہ

کے دشمن اور مردودِ بارگاہ ہوتے ہیں۔
(مزید تفصیل کے لیے مصنّف کے مجموعۂ مضامین کا مطالعہ مفید ہوگا)

فضائل درود و سلام

ہر عبادت دو گونہ خوبیوں کو شامل ہے۔
اوّل[1]: تعبد یعنی عبدیت و بندگی کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے معبود کے حکم کی تعمیل و اطاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ جو ہمارا معبود و یکتا ہونے کے علاوہ ہمارے وجود و لوازم وجود کا خالق و مالک ہے اس کے کسی حکم کی اطاعت میں پس و پیش انتہائی بے عقلی، جہل اور سرکشی ہے۔
دوم[2]: ہر عبادت کی بجا آوری نئے الطاف و اکرام، انعام و نوازش کا سبب ہے۔ لہٰذا فرمانِ الٰہی "صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کی پابندی صرف اس لیے کی جائے کہ یہ اللہ رب العزّت کا حکم ہے اور ایسا پسندیدہ عمل ہے کہ ذاتِ حق قول و فعل سے اس کارِ عظیم میں شریک و متوجہ ہے تو ہمارا یہ فعل اپنی جگہ بندگی کا لازمہ ہو جاتا ہے۔ مگر جو بے اندازہ انعامات اور بے حد و حساب برکات درود و سلام سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے صلوٰۃ و سلام کے محض تصوّر سے ایمان میں قوت، روح میں نورانیّت، قلب میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ رب العزّت کی تمام اعلیٰ نعمتوں میں افضل ترین نعمت حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ رحمت

ہے۔ صلوٰۃ وسلام سے حضور کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ہر آن مقام قرب کی طرف بتدریج ترقی ہوتی رہتی ہے۔ علاوہ ازیں ہماری ہر عبادت تمام دعائیں، استغفار، قربِ بارگاہِ صمدیت تک وصول و رسائی کے لیے صلوٰۃ وسلام ہی سے اپنی قوتِ صعود اور پرِ پرواز حاصل کرتی ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے کہ عارفوں کی تحقیق اور ان کا مشاہدہ یہ ہے کہ درود چونکہ بندوں کا اپنا فعل نہیں بلکہ یہ سرتاسر فعل الٰہی ہے جیساکہ "اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" سے ظاہر ہے اور ہماری درود خوانی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہم ربّ العزت کی صلوٰۃ رسانی کا یا تو اپنی زبان میں ذکر کرتے ہیں جیسے صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ عَلَيْهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ، اَلصَّلٰوةُ عَلَيْكَ یا حاضرین دربار کی طرح اپنے مالک و آقا کے فعل کی تائید کرتے ہوئے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں مثلاً "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ"۔

جب درود انسان کا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ خالصتہً یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو بندہ اگر فعلِ الٰہی کا ذکر کرے یا اللہ جل شانہٗ کی ہاں میں ہاں ملائے تو ایسے اعمال میں قبول و نامنظوری کی بحث سرے سے پیدا ہی نہیں ہوگی بلکہ درود ہمیشہ مقبول ہوگا کیونکہ یہ اللہ جل مجدہٗ کا اپنا فعل ہے وہ خود فاعل بھی ہے اور خود ہی قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور یہیں درود خوانی کا ثواب تو محض اللہ کریم و مفضال کی ہاں میں ہاں ملانے سے بالکل ہی مفت حاصل ہوتا ہے۔

امام رازی اِس مقام پر ایک دوسری بات اور بھی تحریر فرماتے ہیں جو بہت دلچسپ اور نہایت دلکش نکتہ ہے کہ استغفار و درود میں کامیابی و نجات کے لیے درود زیادہ محفوظ طریقہ ہے کیونکہ درود کے نامنظور و نامقبول ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو سراسر فضلِ الٰہی ہے اور ہم تو محض "صلی اللہ" جیسے تائیدی کلمات کہنے والے اور اللہ جلّ شانہٗ کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہیں مگر استغفار تو بندہ کی طرف سے دعا اور درخواست ہے جس میں اپنے گناہوں کی معافی چاہی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر دعاؤں میں اللہ کی طرف کامل توجہ، کامل اخلاصِ روح و قلب اور جسم و جان کے ساتھ کامل تسلیم و سپردگی ہوئی تو دعائیں مقبول ہوں گی ورنہ اخلاص و توجہ میں کوئی کمی رہی تو اللہ ربّ العزّت ان دعاؤں کو اگر رَد فرمائے تو جائے تعجب و مقامِ شکایت نہیں ہے۔ لہٰذا استغفار کی قبولیت کا یقین نہیں کیا جاسکتا اور درود کی قبولیت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

ان حالات میں پُر امن و طمانیت بخش راہ یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ و سلام کا ورد رکھیں اور عفو و استغفار کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کریں کیونکہ قرآن کے اپنے اعلان کے مطابق حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی اُمّت کے لیے اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں طلبگارِ عفو و مغفرت رہتے ہیں اور حضور کی دعا کی قبولیت تو ہر حال میں یقینی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کی کثرت سے مومن کو حضور سیّدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہوتا ہے اور جن خوش نصیبوں کے لیے

آپ طلبگارِ مغفرت و داعیٔ عفو ہوں۔ ان میں درود خوانوں کا اندراج ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تصفیۂ باطن، تزکیۂ روح اور حصولِ تقرب کے لیے تمام سلاسلِ اولیاء صلوٰۃ و سلام سے سفرِ سلوک شروع کرتے ہیں اور اپنے طالب و مرید کو کثرتِ صلوٰۃ و سلام کی ہدایت کرتے ہیں۔

کیونکہ یُزَکِّیۡهِمۡ (حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کا تصفیہ کرتے ہیں) حضور کی خصوصی صفت ہے جس میں کوئی نبی شریک نہیں اور روح و باطن کا تزکیہ اسی وقت ممکن ہے جب طالب حضرت مزکّی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی جناب میں رسائی حاصل کرے درود و سلام سے حضور کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور جوں جوں اس مرکزِ نور تک رسائی ہوتی جائے گی قلب و روح کا تزکیہ ہوتا جائے گا۔ روشنی ملتی جائے گی۔

علمائے حق و عارفینِ حقیقت کے چند اقوال یہاں ضمناً آگئے ورنہ ہماری اصل غرض صلوٰۃ و سلام کے بارے میں صرف حدیثوں کو مشعلِ راہ بنانا ہے۔ تاکہ وہ حضرات جو علمائے دین کی وضع قطع میں رہنے کی وجہ سے عالم کہلاتے ہیں اور اپنی ناواقفیّت و بے خبری سے لوگوں کو کثرتِ صلوٰۃ و سلام کی ترغیب نہیں دیتے اور خود بھی مبتلائے غفلت ہیں، بلکہ بعض افراد تو ایسے بھی ہیں جو صلوٰۃ و سلام کی راہ میں رُکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ نتیجہ میں اس سعادت سے خود بھی محروم رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی محروم کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام کی کثرت اور اس

مقصدِ عظیم کے لیے محفل و حلقہ کا قیام بدعت ہے۔ اللہ جلّ مجدہٗ کو بھول کر لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذکر میں مشغول ہو جائیں گے۔

نادانوں کا ایسا خیال، دین کے معاملے میں انتہائی گستاخی اور سخت بے ادبی ہے۔ اگر دینی احکام میں اضافہ و تخفیف الحاق و ترمیم میں لوگوں کی اپنی رائے اور مصلحت بینی کی اجازت ہے، تو بلا شبہ صلوٰۃ وسلام سے باز رہنے، اور باز رکھنے پر وہ مطعون و ملام نہیں ہو سکتے اور اگر دین اس کا نام ہے کہ مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (جو کچھ رسول تم کو دے دیں وہ لے لو! اور جس سے منع کر دیں رک جاؤ) قرآن مجید۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ (قرآنِ مجید)

تو پھر قرآنی منصوصات اور حدیثی تصریحات کے خلاف اپنی طرف سے کوئی اصلاح و ترمیم پیش کرنا، اور اپنی مصلحت اندیشیوں کو قرآن و حدیث پر حاکم بنانا ایمان کا نتیجہ نہیں کہلائے گا۔

توحید یہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی مصلحت کوشیوں کو قرآن و حدیث کی صداقت کی کسوٹی بنائے۔ یہ اندازِ فکر از سرتاپا بالکل کھلا شرک ہے۔

اِتَّخَذَ اِلٰـھَہٗ ھَوَاہُ — اپنی خواہش کو اِلٰہ (خدا) بنالیا۔

بندگی یہ نہیں ہے کہ شیطان کی طرح کوئی منکرِ سجدہ ہو اور فرمانِ الٰہی کی صحت و صداقت کو اپنی عقل و فہم سے جانچے۔ بلکہ بندگی اس کا نام ہے کہ اللہ و رسول کے احکام کے سامنے اپنا سر جھکا دے۔

آدم خاکی کے سامنے سر بسجدہ ہونے کا حکم ملے تو پورے انشراحِ قلب اور رغبت و محبت سے سجدے میں گر جائیں۔ مٹی پتھر کی ایک عمارت کو جسے کعبہ کہتے ہیں۔ قبلۂ عبادت و مرکزِ سجود قرار دیا جائے تو ہم بے جھجک اس کے سامنے ماتھا ٹیک دیں ؎

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے   اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا؟

توحید نام ہی ہے اس کا کہ ماسوی اللہ کی حاکمیت سے انکار کر کے صرف ایک اللہ کی حاکمیت کا اقرار کریں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ہدایات ملی ہیں ان کو فرمانِ الٰہی جانیں۔ اپنی ہوائے نفس کو کبھی درمیان میں نہ آنے دیں۔

اگر اللہ کے کسی حکم میں شرک کا رجحان پایا جاتا ہو تو یہ قصور ہماری اس عقل کا ہے جو توحید و شرک کی حقیقت سے ہنوز ناآشنا ہے۔

فرض کیجئے کعبۃ اللہ کے بدلے اگر اللہ ربّ العزّت روضۂ انور کو قبلۂ عبادت قرار دیتا اور اپنی حمد و ثنا کی جگہ شروع سے آخر تک نمازوں میں صرف درود و سلام کا حکم دیتا تو کیا کوئی مومن یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اللہ کے اس فرمان کو رد کر کے ابلیسِ لعین کی طرح بغاوت و سرکشی کی راہ اختیار کرتا۔ ہرگز نہیں۔ تعبد و مصلحت اندیشی کے درمیان وہی فرق ہے جو ملکوتیت اور ابلیسیت میں ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث کی تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی شخص صرف اس لیے صلوٰۃ و سلام کی کثرت سے باز رہتا ہے کہ پرستارِ رسول نہ بن جائے تو ایسا طرزِ فکر کتنا غیر مومنانہ ہے۔ ہم بندے ہیں معبود

کے حکموں کی اطاعت ہمارا شعار ہونا چاہیئے حیرت ہے حبیب اللہ جل مجدہٗ نے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو رفعت و بلندی عطا کی (قرآن مجید) کہہ کر حضور صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات سے متعلق ہر طرح کے اذکار کو عظمت و بزرگی بخشی اور یہاں تک کہہ دیا کہ اِنَّمَا جَعَلْتُ ذِكْرَكَ ذِكْرِی میں نے آپ کے ذکر کو اپنا ذکر قرار دیا (حدیث شریف) اور اذکار جمیلہ میں ذکر ولادت، ذکر معجزات، ذکر معراج اور صلوٰۃ وسلام سبھی داخل ہیں اور ان میں صلوٰۃ وسلام پر قرآن و حدیث نے بہت زیادہ زور دیا ہے کیا اس کے بعد بھی صلوٰۃ وسلام کی محفلوں، حلقوں اور مجلسوں سے انکار کی کوئی وجہ جواز ہے۔

عجب تماشہ ہے کہ صحابہ کرام علمائے سلف حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو جن نگاہوں سے دیکھتے تھے آج ان نگاہوں کو شرک و کفر سے آلودہ بنایا جا رہا ہے۔ صحابہ کرام کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا تو بیک زبان ہو کر کہہ اُٹھتے اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ (یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ ایک کلمہ اَعْلَمُ جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ صحابہ کرام اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے ایمانوں نے اس اسناد و اضافت کو کبھی خلاف توحید نہیں سمجھا اور نہ اللہ کے رسول ہی نے صحابہ کو اس سے روکا۔

مگر آج یہ حال ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام علمی کو موضوع بحث و جدال بنایا جاتا ہے۔ هیهات هیهات۔

بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ بن یمان کی روایت ہے قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ (میں نے عرض کیا اے رسول اللہ بے شک ہم لوگ جاہلیت و فساد میں مبتلا تھے کہ اللہ خیر کے ساتھ ہمارے پاس آ گیا تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہے؟ (بخاری و مسلم)

غور فرمائیے کہ اللہ تو نہ کہیں آیا نہ گیا۔ مگر صحابۂ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کو اللہ کی آمد سے تعبیر کر رہے ہیں۔ محدثین عظام حضور کی آمد کو رسول و نبی کی آمد کہتے ہیں اور دونوں حق پر ہیں۔ صحابہ نے حضور علیہ السلام کی آمد کو مجازاً اللہ کی آمد کہا اور اس اندازِ بیان میں ان کو کوئی شرک نظر نہیں آیا اور محدثین نے حقیقت کو سامنے رکھ کر حدیث مذکور میں اللہ کی آمد سے رسول و نبی کی آمد مراد لی۔ صحابہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے جلوے نظر آئے اور محدثین نے اس پیکرِ خوبی میں رسالت و نبوت کی تابانیاں دیکھیں مگر آج کے گستاخوں کو حضور علیہ السلام کے اندر بشریت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اپنی اپنی آنکھیں ہیں۔ اپنا اپنا فہم اور اپنا اپنا ایمان ہے

آنکھ والا ترے جلووں کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

مگر افسوس آج توحید کا مفہوم یکسر بدل گیا ہے۔ اللہ کی آمد سے اپنے جیسے ایک بشر کی آمد کے معنی لوگوں کے ذہن میں اُتارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر لوگوں کا ایمان و عقیدہ اس حد تک نیچے کس طرح اُتر آیا؟

ذرا سوچیے تو حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آمد ایک بشر کی آمد تھی۔ یا ایک رسول کی آمد تھی۔ آپ اپنی بشریت منوانے کے لیے آئے تھے یا اپنی رسالت منوانے کے لیے؟ اور ہماری نجات و فلاح کا راز آپ کی بشریت کے اقرار میں ہے یا آپ کی رسالت و نبوّت کے اقرار میں؟

حضور سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جہت بشری کی غایت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ بنی نوع انسان آپ سے مانوس ہوں اور "الجنس یمیل الی الجنس" کا فطری اصول قبول احکام میں ہمارا رفیق اور ممد و معاون ہو۔ ورنہ تاجدار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اصلی جہت رسالت ہے۔ اور جس طرح خلاقِ عالم نے ہمارے انس و میلان کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر حضور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بشری جہت عطا فرمائی تاکہ تعلمِ احکام و قبول ہدایت میں ہم کوئی دشواری محسوس نہ کریں۔ اسی طرح نورانی مخلوق یعنی فرشتوں سے احکام لینے، بلکہ خود ذاتِ حق تک وصول و رسائی کے لیے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جہت نبوّت و رسالت کو نورانی ہونا چاہیئے یا نہیں؟ اور جہت نبوت و رسالت پر ایمان لانے کی پابندی کی وجہ سے ہماری تمام توجہات حضور کی جہتِ بشری سے ہٹ کر جہتِ نوری و نورانی پر مرکوز رہنی چاہیئے یا نہیں۔

(اس بحث کو راقم الحروف کے رسالہ نبی کی بشریت میں ملاحظہ فرمایئے)

(محمد ہاشم)

قرآن و حدیث کی روشنی میں صلوٰۃ و سلام کی اہمیّت و عظمت پر کافی

بحث کی جا چکی ہے اور امید ہے کہ مذکورہ تفصیلات کے بعد جس کے دل میں ایک ذرہ ایمان ہے۔ صلوٰۃ و سلام کی عظمت میں کوئی شک و شبہ نہیں کرے گا۔ ذیل میں چند احادیث درود شریف کے فضائل میں درج کی جاتی ہیں تاکہ درود شریف کی اہمیت کا دوسرا رُخ بھی سامنے آجائے۔

حدیث ؑ: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔

ترجمہ: (جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے) (مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی۔ ابن حبان)

غور فرمایئے کہ ہماری ایک صلوٰۃ ہزار ثمین و گراں قیمت سہی مگر پھر بھی ایک بندۂ نامقدور و عاجز کی صلوٰۃ ہے۔ اس کے مقابلے میں قدیر و قیوم اللہ کی صلوٰۃ کا مرتبہ اور مقام کیا ہوگا؟ اور پھر بھی ہماری ہر صلوٰۃ کے بدلے میں اللہ کی طرف سے دس صلوٰۃ کے معیار و مفہوم کی اہمیت کیا ہونی چاہیئے۔ بصیرت ایمانی ہی اس کا کچھ اندازہ کر سکتی ہے۔

حدیث ؑ: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّۃً وَّاحِدَۃً کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِھَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ (ترمذی)

ترجمہ: جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ سبحانہٗ اس ایک درود کے بدلے درود خواں کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ (ترمذی)

غور فرمایئے جب انعام دینے والے ہمیشہ اپنے معیار و مرتبے کے موافق انعام دیا کرتے ہوں تو اللہ رب العزّت کا انعام کیسا گراں بہا اور بیش قیمت

ہوگا اور وہ بھی ایک ایسے عمل خیر و سعادت پر جو عمل خود اللہ کو اس حد تک محبوب و پسندیدہ ہے کہ ذاتِ صمدیت اپنے تمام ملائکہ کے ساتھ ارسال صلوٰۃ میں مداوم ہے اور تمام مومنین بھی اس عمل کے پابند بنائے گئے ہیں۔

حدیث: قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحطَّ عَنْهُ بِهَا عَشْرَ سَيِّئَاتٍ وَرَفَعَهٗ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ۔

(احمد۔ نسائی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ترجمہ: جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے اور اس ایک درود کے وسیلے سے اس کی دس خطائیں معاف کرتا ہے اور اسی ایک درود کے وسیلے سے اس کے دس درجے بلند کرتا ہے۔

حدیث: قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عَشْرًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ مِائَةً وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِائَةً كَتَبَ اللّٰهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ بَرَاءَةً مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةً مِّنَ النَّارِ وَاَسْكَنَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ الشُّهَدَاءِ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط الصغیر)

ترجمہ: جو کوئی مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجے اللہ اس پر دس صلوٰۃ بھیجتا ہے اور جو کوئی مجھ پر دس صلوٰۃ بھیجے اللہ رب العزت اس پر سو صلوات بھیجتا ہے۔ اور جو کوئی مجھ پر سو صلوٰۃ بھیجے اللہ رب العزت اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) لکھ دیتا ہے بَرَاءَۃٌ مِنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ (منافقت سے پاک ہے اور جہنم سے محفوظ) اور اللہ تبارک و تعالیٰ بروز قیامت شہداء کے ساتھ سکونت و قیام عطا کرے گا۔

طبرانی نے اوسط و صغیر میں روایت کی ہے اس روایت کی سند میں ابراہیم ایک ایسے راوی ہیں جن کے خلاف یا موافق محدثین کی کوئی رائے نہیں ملتی ہے۔

حدیث ۲۲: عَنْہُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ قَالَ لِی اَلَا یَسُرُّکَ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ صَلَّیْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْکَ سَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَسَجَدْتُ لِلّٰہِ شُکْرًا (احمد۔ حاکم۔ ابو یعلی۔ ابن ابی الدنیا)

ترجمہ: فرمایا کہ بیشک جبریل نے مجھ سے کہا کیا آپ کو مسرت نہ ہوگی کہ بیشک اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جو کوئی آپ پر صلوٰۃ بھیجے میں اس پر صلوٰۃ بھیجتا ہوں اور جو کوئی آپ پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجتا ہوں تو میں نے اللہ کا سجدۂ شکر ادا کیا۔

اس سجدۂ شکر کا سبب اپنی امت پر اللہ کی نوازش و انعام ہے۔

حدیث۲۳: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ فَبَكَيْتُ وَقُلْتُ قَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَهٗ قَالَ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَدَعَانِيْ فَقَالَ مَالَكَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَطَلْتَ السُّجُوْدَ قُلْتُ قَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَ رَسُوْلِهٖ لَا اَرَاهُ اَبَدًا قَالَ سَجَدْتُ شُكْرًا لِرَبِّيْ فِيْمَا اَبْلَانِيْ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً مِّنْ اُمَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَحٰى عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف راوی ہیں کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پڑھی۔ پھر سجدہ کیا اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ میں رونے لگا اور دل میں کہا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کی روح کو واپس لے لیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ پھر آپ نے سر اُٹھا کر مجھے بلایا اور فرمایا کہ تمہارا یہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سجدہ اتنا دراز کیا کہ میں سمجھا کہ اللہ نے اپنے رسول کی روح واپس لے لی۔ اب میں کبھی آپ کو نہیں دیکھوں گا۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے رب کا سجدۂ شکر ادا کیا جو اس نے میری اُمت پر انعام و نوازش فرمائی یعنی جو کوئی میری اُمّت میں سے مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ اس کے نامۂ اعمال میں اللہ دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کی دس بُرائیاں مٹاتا ہے۔ اللہ اللہ درود شریف پر اللہ کے الطاف و عنایات کی خبر سُن کر

حضور سجدۂ شکر ادا کریں اور ایسا طویل سجدہ ہو کہ ایک عشری صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو آپ کی وفات کا گمان ہو اور وہ بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ مگر اس امت میں آج ایسے حضرات بھی پائے جاتے ہیں جو اللہ کے وعدوں پر اعتماد نہیں کرتے اور حضور کے ذکر کو بے قیمت سمجھتے ہیں۔ خود بھی صلوٰۃ وسلام سے باز رہتے ہیں اور دوسرے مومنین کو صلوٰۃ وسلام کی محفل کی شرکت سے روکتے ہیں اور اس کے بعد بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حضور کے متبع اور پیرو ہیں۔

حدیث[۲۴] : مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّۃً کُتِبَ لَہٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّمُحِیَ عَنْہُ بِھَا عَشْرُ سَیِّئَاتٍ وَّرُفِعَ بِھَا عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّکُنَّ لَہٗ عَدْلُ عَشْرِ رِقَابٍ (ابن ابی عاصم۔ نسائی۔ طبرانی۔ بزار، باستثنائے عشر رقاب)

ترجمہ : حضور کا اعلان ہے کہ جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجے اس کے اعمال نامے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اسی ایک درود کے عوض دس برائیاں مٹائی جاتی ہیں اور درود خواں کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں اور دس غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ابی عاصم۔ نسائی۔ طبرانی۔ بزار۔ بہ استثنائے عشر رقاب)

حدیث[۲۵] : مَنْ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ سَبْعِیْنَ صَلٰوۃً (احمد)

ترجمہ: جو کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود بھیجے اللہ اور اس کے فرشتے ستر بار صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ (احمد)

حدیث ۲۶: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَالسُّرُوْرُ یُرٰی فِیْ وَجْہِہٖ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اِنَّا لَنَرَی السُّرُوْرَ فِیْ وَجْہِکَ فَقَالَ اِنَّہٗ اَتَانِی الْمَلَکُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ! اَمَا یُرْضِیْکَ اِنَّ رَبَّکَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ اِنَّہٗ لَا یُصَلِّیْ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَشْرًا وَّلَا یُسَلِّمُ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا؟ قَالَ بَلٰی۔

(ابن حبان۔ طبرانی۔ احمد۔ نسائی)

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کا روئے انور مسرت و شادمانی سے چمک رہا تھا۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ بیشک ہم لوگ دیکھ رہے ہیں آپ کے نورانی چہرے میں خوشی کے جلوے، آپ نے فرمایا بہ تحقیق میرے پاس اللہ کا خاص فرشتہ آیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس خبر سے آپ کو خوشی نہ ہوگی کہ آپ کا پروردگار (عزّ وجل) فرماتا ہے کہ آپ کی اُمت میں سے کوئی آپ پر درود نہیں بھیجتا ہے مگر میں اس پر دس صلوٰۃ بھیجتا ہوں (یعنی آپ کے امتی کو ہر ایک صلوٰۃ کے بدلے میں دس صلوٰۃ)

اور نہیں سلام بھیجتا ہے آپ پر آپ کی اُمّت میں سے کوئی مگر میں سلام بھیجتا ہوں اس پر دس بار (یعنی آپ پر ہر سلام کے بدلے اُمّت کو اللہ کی طرف سے دس سلام پہونچتے ہیں) آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

(ابن حبان۔ طبرانی۔ احمد۔ نسائی)

حدیث ۲۷: اِنَّ اللّٰہَ وَکَّلَ مَلَکًا مِنْ یَّوْمِ خَلَقَکَ اِلٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ لَا یُصَلِّیْ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا قَالَ وَاَنْتَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ۔

ترجمہ: ایک دوسری روایت میں ہے کہ بیشک اللہ عزّوجل نے متعین کر دیا ہے ایک فرشتہ آپ کی پیدائش سے روزِ قیامت تک کے لیے آپ کی اُمّت میں کوئی آپ پر درود نہیں بھیجتا ہے مگر وہ فرشتہ جواب دیتا ہے کہ وَاَنْتَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ اور تجھ پر اللہ درود صلوٰۃ" بھیجتا ہے۔

مذکورہ حدیثوں سے صلوٰۃ و سلام کی فضیلت ظاہر ہو گئی نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کا ذکر اللہ جل مجدہٗ کو کتنا محبوب ہے۔ حضور کے ذکر کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ آخر اللہ بھی حضور ہی کے وسیلے سے مل جاتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی معرفت سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا عرفان ہوتا ہے۔ دنیا و آخرت کی نعمتیں ساری کی ساری اللہ کے کرم پر موقوف ہیں اور کرم الٰہی کے لیے حضور کی ذات اور آپ کا ذکر کامیاب و یقینی وسیلہ ہے۔

ان حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ و سلام وہی شخص بھیجتا ہے جس پر اللہ صلوٰۃ وسلام بھیجے گویا اللہ کے صلوٰۃ و سلام سے مومن کی روح متاثر ہو کر صلوٰۃ و سلام بھیجنا شروع کرتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کو دیکھو کہ وہ صلوٰۃ و سلام نہیں بھیجتا تو اس سے ناراض ہونے یا جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس پر افسوس کرنا چاہیئے اور اپنے صلوٰۃ و سلام بھیجنے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے پہلے صلوٰۃ و سلام بھیج کر ہم کو صلوٰۃ و سلام بھیجنے کی توفیق بخشی۔

❖

مواقع صلوٰۃ وسلام

علماء و مجتہدین کے اختلافات کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل موقعوں میں صلوٰۃ و سلام کی اہمیّت ثابت ہوتی ہے۔

اوّل: نماز میں تشہد کے اندر۔ سلام و تشہد کے بعد ہر قعدہ میں صلوٰۃ اور بعضوں کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں سلام فراغ سے پہلے تشہد کے بعد صلوٰۃ بہت اہمیّت رکھتی ہے۔

دوم: حضور سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نام نامی جب مذکور ہو۔

سوم: جب آیۂ کریمہ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی تلاوت کرے یا سُنے (صلّی اللہ علیہ وسلّم)

چہارم: ہر اذان و اقامت کے بعد اور دعائے وسیلہ سے پہلے۔ دعائے وسیلہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ (الخ)

پنجم: ہر دعا کے ساتھ تاکہ دعائیں صلوٰۃ وسلام کے وسیلے سے بارگاہِ حق تک رسائی حاصل کریں اور مقبول ہوں۔

ششم: مسجد میں داخل ہوتے وقت جیسا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ بنت حسین کی روایت ہے۔

حدیث[۲۸]: عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ الْحُسَیْنِ عَنْ جَدَّتِہَا فَاطِمَۃَ الْکُبْرٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَإِذَا خَرَجَ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ۔ (ترمذی۔ احمد۔ ابن ماجہ)

ترجمہ: فاطمہ بنت حسین اپنی جدہ مکرمہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب داخل ہوتے مسجد میں تو درود و سلام بھیجتے، اور جب باہر آتے مسجد سے تو درود و سلام بھیجتے۔ (ترمذی۔ احمد۔ ابن ماجہ)

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَتْ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَإِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ بَدَلَ صَلَّى اللهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا نے کہا کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب داخل ہوتے مسجد میں اور جب باہر آتے مسجد سے تو کہتے بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ۔ صَلَّى اللهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ کے بدلے۔

ہفتم: مسجد سے باہر آتے وقت (جیسا کہ حدیثِ بالا میں مذکور ہے)

ہشتم: کسی مومن کے مکان میں داخل ہوتے وقت بالخصوص جب وہ مکان خالی اور غیر آباد ہو یعنی جہاں داخلے کے وقت کوئی موجود نہ ہو۔

قرآنِ مجید میں فرمانِ الٰہی ہے کہ کسی مکان میں سلام کے بغیر مت اندر جاؤ۔ مفسرین کرام اس مطلق حکم کے تحت لکھتے ہیں کہ جن مکانوں میں لوگ موجود نہ ہوں۔ فریضۂ سلام کی بجاآوری میں غور و تامل کا سوال نہیں پیدا ہوتا لیکن جو مکانات مکین سے خالی ہوں ان میں داخلے کے وقت سلام کا

حکم کیونکر بجا لایا جائے۔ قرآنِ مجید نے اِس مطلق حکم میں کوئی تخصیص نہیں کی اور کوئی استثنائی قید نہیں لگائی جس سے آباد و غیر آباد میں فرق کیا جائے۔

لہٰذا ایک جماعت کا فیصلہ ہے جس میں ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ آباد مکان میں داخلے کے وقت حاضرین کو سلام کیا جائے اور خالی مکانوں میں حضور سیدِ عالم صلّے اللہ علیہ وسلّم پر سلام بھیجا جائے گا کیونکہ تمام مومنین کے ولی، ان کے اموال کے مالک ہیں اور حضور صلیّ اللہ علیہ وسلّم اپنے کمالاتِ روحانی اور لطافت نورانی سے ہر مومن کے مکان میں موجود ہیں۔

جب اس آیتِ قرآنی سے حکمِ عام ثابت ہو رہا ہے تو غیر آباد مکانوں میں بھی ہمیں سلام کرتے ہوئے داخل ہونا چاہیئے۔ اگر ہمارے جیسے بشر وہاں موجود نہیں ہیں تو ہمیں حضور انور صلیّ اللہ علیہ وسلّم پر سلام بھیجتے ہوئے داخل ہونا چاہیئے۔

نہم : جمعہ و شب جمعہ کو صلوٰۃ و سلام کی کثرت کرنی چاہیئے۔

دہم : خوشی کے دنوں میں مثلاً ایّامِ ولادت میں۔

یازدہم : غم کے دنوں میں مثلاً ایّامِ وفات میں جیسا کہ جمعہ کے دن کثرتِ درود و سلام کا حکم دیتے ہوئے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْہِ قُبِضَ یا سیّدنا عیسٰی و سیّدنا یحیےٰ علیہما السّلام کے متعلق قرآن مجید کا اعلان ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۔

بعد وفات صلوٰۃ وسلام

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کی نگاہِ حسّی کے سامنے ہوتے تو عرضِ سلام وا مہ اوصلوٰۃ میں کوئی دِقت اور اُلجھن نہیں تھی لیکن غَیبت کی حالت میں حیاتِ حسّی کے دِنوں میں ہو یا یہ غَیبت وفات شریف کے بعد ہو عرض صلوٰۃ و سلام میں بعض اذہان متردّد ہو سکتے ہیں اور یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی تعمیل کی کیا صورت ہوگی۔

سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کے معنی سلام بھیجو اور بتاکید سلام بھیجو! نیز اس حکم کے مطابق بلا استثناء تمام مؤمنین ہیں۔ اس حکم کا نفاذ کسی خاص زمان و مکان کے ساتھ وابستہ نہیں، اور نہ کسی زمانے میں اس حکمِ الٰہی کی تعطیل و التواء جائز ہے اور صحیح حدیثوں سے یہ معلوم ہو چکا کہ حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عرض سلام کا بہتر طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم تشہد میں دی گئی ہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ"۔

عرضِ سلام کا مذکورہ طریقہ عہدِ رسالت میں یکساں جاری رہا۔ صحابۂ کرام نے کبھی آپ کی حیاتِ حسّی میں حضور و غَیبت کی وجہ سے عرضِ سلام کے مقررِ شدہ طریقے میں کوئی ترمیم و اصلاح نہیں کی اور نہ حضور علیہ السلام کی طرف سے صراحتہً نہ سہی کنایتہً و اشارتہً بھی کسی ترمیم و تنسیخ کا ثبوت ملتا ہے۔ اور آج بھی ساری امت میں عرضِ سلام کا

وہی طریقہ رائج ہے۔

سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا یہ مفہوم تو ہرگز قابلِ قبول نہیں، ہو سکتا کہ "اے مسلمانو سلام بھیجنے کی نقل کرو۔" جیسا کہ بعض حضرات بے خبری و لاعلمی کی وجہ سے کبھی کبھی بیان کرتے ہیں اور اپنے اس بیان کی تائید میں کوئی واضح دلیل پیش کرتے سے جب عاجز ہوتے ہیں تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اَلْغَرِيْقُ يَتَشَبَّثُ بِكُلِّ حَشِيْشٍ کی مصداق کہا کرتے ہیں کہ تشہّد واقعہ معراج کی نقل و حکایت ہے اس میں مذکور سلام بھی نقل حکایت ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ تشہد شانِ نزول کے اعتبار سے واقعہ معراج سے متعلّق ہے مگر احکامِ قرآنی و تعلیماتِ نبوی کا دائرۂ عمل شانِ نزول میں اتنا محدود نہیں ہوتا لہٰذا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہنے کے وقت عرض سلام میں نیت و ارادے کو شریک و ہم زبان ہونا چاہیئے تاکہ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کی تعمیل ہو۔ صحابۂ کرام اِس عرض سلام کو اپنی طرف سے فرمانِ الٰہی کی بجا آوری قرار دیتے تھے جیسا کہ انہوں نے بارگاہِ رحمت پناہ میں عرض کیا تھا۔

قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!

"بہ تحقیق ہم جان چکے کہ آپ پر سلام کس طرح عرض کریں۔"

اور اس سے ان کی مراد تشہد کا سلام تھا۔

رہی یہ بات کہ بارگاہِ رسالت میں عرضِ سلام کا ہم وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جو اللہ ربّ العزّت نے شبِ معراج اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے پسند فرمایا تھا۔ تو اس سے ہماری تسلیم کی عزّت و عظمت دوبالا ہو

جاتی ہے۔ زمینی سلام کا ڈانڈا عرشی سلام سے مل جاتا ہے۔ مؤمنین کو عرضِ سلام کا حکم دے کر ادائے فرض کے لیے اللہ ربّ العزّت نے تسلیم کی اسی صورت کو پسند فرمایا جس کی عملی مثال شبِ معراج خود ذاتِ احدیت نے قائم فرمائی۔ قولِ الٰہی کے ساتھ فعلِ الٰہی بھی صلوٰۃ و سلام میں ہمارا رہنما اور نمونۂ عمل ہے۔ جب ہر زمانہ اور ہر جگہ عرضِ سلام بہ صیغۂ خطاب پسندیدہ ہے تو ہر مکان آباد و غیر آباد میں داخلے کے وقت حضور پر سلام بھیجنا قابلِ نزاع و خلاف نہیں سمجھا جا سکتا۔ مفسرین کرام کے بیانات اس سلسلہ میں حق اور دلائل کے اعتبار سے درست معلوم ہوتے ہیں۔

نیز اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کی طرح یا نبی سَلَامٌ عَلَیْكَ بھی ہے۔ اس کی پسندیدگی و خوبی میں کسی بحث و نظر کی گنجائش نہیں ہے۔

حضور کو مخاطب کر کے غائبانہ صلوٰۃ و سلام بھیجنا درست ہے جیسا کہ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی تعلیمی و تعمیلی تفسیر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ سے ثابت ہو چکی ہے۔

اہلِ ایمان کے لیے اس ایک دلیل کے بعد مزید دلائل و شواہد کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر بھی متعدد حدیثیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ حضور علیہ السّلام پر جب کبھی اور جہاں کہیں سے بھی صلوٰۃ و سلام بھیجا جاتا ہے وہ حضور پُر نور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہ تک ضرور پہنچتا ہے۔

حدیث ۲۹: اَکْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ اٰتَانِیْ

جِبْرِیْلُ اٰنِفًا عَنْ رَّبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ مُّسْلِمٍ یُصَلِّیْ عَلَیْکَ مَرَّۃً وَّاحِدَۃً اِلَّا صَلَّیْتُ اَنَا وَمَلَائِکَتِیْ (رواہ الطبرانی)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا مجھ پر روز جمعہ بکثرت درود بھیجو! کیونکہ کچھ پہلے میرے پاس جبریل اپنے رب عزّوجل کی طرف سے آئے اور کہا روئے زمین پر کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو آپ پر درود بھیجے (اللہ فرماتا ہے) مگر میں صلوٰۃ بھیجتا ہوں اور میرے فرشتے سب صلوٰۃ بھیجتے ہیں اس پر دس بار۔ (طبرانی)

غور فرمایئے ہماری ایک صلوٰۃ کا اجر اللہ کریم و مفضال کی طرف سے دس صلوٰۃ اور اسی طرح اس کے تمام فرشتوں کی طرف سے دس دس صلوٰۃ ہیں۔ ان تمام صلوٰۃ کے مجموعے کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جو اپنے فرشتوں کی گنتی اور شمار سے آگاہ ہے۔ دوسری حقیقت اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ کسی مومن کا درود بے اجر و بے ثواب نہیں رہتا۔ اور اجر اللہ دیتا ہے جو حاضر و غائب سبھوں کو محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السّلام نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ حاضر حاضر کے صیغے میں اور غائب غائب کے صیغے میں صلوٰۃ و سلام بھیجے بلکہ یہ فرمایا کہ ہر صلوٰۃ و سلام کا اجر اللہ تعالیٰ ضرور دیتا ہے۔ لہٰذا صلوٰۃ و سلام حضوری ہو یا صلوٰۃ و سلام غائب اللہ تعالیٰ کو سب پسند، مقبول اور مستحق اجر ہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر عرض صلوٰۃ و سلام کے مواقع میں پورے ایک دن کا اضافہ ہے۔ یعنی جمعہ

سید الایام اور یوم العبادت نیز ہفتہ کی عید ہے۔ اس دن اللہ رب العزت کے نزدیک نہایت پسندیدہ وغایت برگزیدہ عمل حضور پر صلوٰۃ وسلام کی کثرت ہے۔

حدیث ۳۰: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّ عَلَیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَمَلَکٌ مُوَکَّلٌ بِھَا حَتّٰی یُبَلِّغَنِیْہِ (طبرانی)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جو کوئی مجھ پر ایک درود بھیجے اللہ اس پر دس درود بھیجتا ہے اور ایک فرشتہ مقرر ہے جو درود مجھ تک پہنچاتا ہے۔

حدیث ۳۱: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰئِکَۃً سَیَّاحُوْنَ یُبَلِّغُوْنَ عَنْ اُمَّتِیْ السَّلَامُ (نسائی - ابن حبان)

ترجمہ: حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے بیشک اللہ کے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو ہمیشہ سیاحت میں رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔

حدیث ۳۲: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حَیْثُمَا کُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ (طبرانی)

ترجمہ: بیشک حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جہاں کہیں بھی رہو مجھ پر درود بھیجو اس لیے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔ (طبرانی)

حدیث ۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ رحمت پناہ میں ایک فرشتہ اس کام پر مقرر ہے اور حدیث ۳۱ میں ملائکہ سیاحین یعنی سیاح فرشتے بھی

اس کام پر مقرر ہیں۔ لہٰذا دو طرح پر فرشتوں کی وساطت سے صلوٰۃ و سلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچتا ہے لیکن حدیث ۳۲ میں از خود بلا واسطہ درود و سلام کے پہنچنے کی خبر ہے۔ اس حدیث میں اگلی دونوں حدیثوں کی طرح کسی واسطہ و وسیلہ کا ذکر نہیں ہے۔ بارگاہِ رحمت پناہ تک صلوٰۃ و سلام کی رسائی میں اس فرق و امتیاز کی وجہ صلوٰۃ و سلام بھیجنے والوں کی کیفیت، عقیدت، اخلاص اور حضورِ قلب ہے۔

درود شریف تو بہر حال آپ علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اخلاص و حضور کی کمی بیشی فاصلہ قرب و بعد بنتی ہے کسی کا سلام آستانے کا فرشتہ پہنچاتا ہے اور کسی کا سلام سیاحین فرشتے پہنچاتے ہیں اور کسی کا سلام بے واسطہ پہنچتا ہے۔ اسی مضمون کو دوسرے کلمات میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ اِنِّیْ اَسْمَعُ سَلَامَ اَھْلِ مُحَبَّتِیْ بِغَیْرِ وَاسِطَۃٍ (بیشک میں اپنے اہلِ محبت کا سلام کسی واسطے کے بغیر سنتا ہوں) اس مضمون کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث ۳۳: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ بَلَغَتْنِیْ صَلٰوتُہٗ۔

ترجمہ: جو کوئی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اس کی صلوٰۃ مجھ تک پہنچ جاتی ہے (طبرانی)

اس حدیث میں بھی واسطہ و وسیلہ کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا جب ہمارے درود و سلام علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بے واسطہ براہِ راست اور بالواسطہ ہر طرح پہنچتے ہیں اور اس رسائی و وصولی پر ایمان ہے تو

پھر صیغۂ خطاب سے یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک۔
یا حبیب سلام علیک۔ صلوات اللہ علیک پر نکیر و اعتراض
کی گنجائش نہیں رہتی۔ الّا یہ کہ ہوائے نفس کی پیروی میں اپنی ضد سے کوئی
حدیث ہی کا منکر ہو۔ مذکورہ بالا بیان صرف اجتہاد و عقیدت ہی نہیں ہے
بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک براہِ راست صلوٰۃ و سلام پہنچنے اور
سلام کا جواب ملنے کی تائید میں دوسری صحیح اور صریح حدیثیں بھی موجود ہیں۔

حدیث ۳۴ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ مَا مِنْ اَحَدٍ
یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ اِلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ۔
(احمد - ابو داؤد)

ترجمہ: حضور آقائے دو جہاں صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کوئی شخص
مجھ پر سلام نہیں بھیجتا مگر یہ کہ اللہ ربّ العزّت میری طرف میری روح کو لوٹا
دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ (احمد - ابو داؤد)

اس حدیث میں قریب و بعید اور حاضر و غائب کی کوئی تخصیص نہیں
ہے بلکہ جسم و روح کے اتصال کے ساتھ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام
اپنے ہر سلامی کو اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

نیز اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور بھی ثابت ہوتے ہیں۔

اوّل: ہماری آوازیں عالم ارواح میں سنی جاتی ہیں کیونکہ مضمون حدیث یہ
ہے کہ سلام کا جواب دینے کے لیے جسم و روح کا اتصال ہوتا ہے
جب کہ سلام عالم ارواح میں پہلے سنے جا چکے۔

دوئم: انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی حیات برزخی جسم و روح کے اتصال کے ساتھ کرتے ہیں جیسا کہ سلام کے جواب میں جسم و روح کا اتصال ہونا مذکور ہے۔

سوم، حضور سیدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم جسم و روح کے اتصال کے بعد بھی زمان و مکان میں مقید نہیں ہوتے بلکہ ہر سلامی کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور نہ جانے بیک وقت اِس عالمِ ظہور میں کتنے خوش نصیب سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ آپ ان سب پر مطلع ہوتے اور ہر ایک کو جواب دیتے ہیں ہماری محدود عقلِ بشری اِس وسعتِ ادراک و وسعتِ عمل کا اندازہ لگانے سے قطعاً عاجز ہے۔

چہارم: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے اجسامِ مطہرہ محفوظ رہتے ہیں اور ان میں ارواحِ منورہ کی آمد و شد قائم رہتی ہے۔

پنجم: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی آن عرضِ سلام سے محروم نہیں ہے تو لامحالہ جوابِ سلام سے بھی کوئی لمحہ خالی نہ ہوگا لہٰذا روح کی دو ہی کیفیتیں ہوں گی۔ (۱) روحِ پاک کا قیام ملیک مقتدر کے حضور میں ہوا اور اس کا ایک ایسا تعلق جسمِ اطہر کے ساتھ بھی باقی رہے جس سے جسم کی حیات قائم رہتی ہے تاکہ قبولِ سلام و جوابِ سلام کا عمل جاری رہے جس طرح آفتاب اپنی شعاعوں سے جسمِ اطہر کو حیاتِ جسمانی سے منور و روشن رکھتا ہے۔ اسی طرح ایامِ ظہور میں بھی حقیقتِ باطنہ

صرف جسمِ اطہر میں منعکس ہوتی رہی اور اس کا مقام اصلی ملیکِ مقتدر کے حضور رہا ؎

نہ دانم مقام محمد چہ جائے
کہ زیرِ قدم عرشِ اللہ احد

ششم: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وفاتِ نبوی جسم و روح کی بے تعلقی کا نام نہیں ہے کیونکہ کائنات کا کوئی لمحہ ایسا تصوّر میں نہیں آسکتا جس میں آپ پر صلوٰۃ و سلام کہیں سے نہ پہنچتا ہو، اور خود آپ کی تدفین سے پہلے صحابۂ کرام پانچ پانچ سات سات کی جماعت بنا کر آپ کے جسدِ اطہر کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہے یہی تھی وہ نمازِ جنازہ جو آپ پر پڑھی گئی۔ تو لامحالہ آپ ان کے سلام کا جواب جسم و روح کے اتصال سے دیتے رہے پھر موت کیسی اور موت کس چیز کا نام ہوا۔

انبیائے کرام کی وفات اور بالخصوص آپ علیہ السلام کی وفات جسم و روح کی بے تعلقی کا نام نہیں ہے بلکہ ہم جسمانیوں کی آنکھوں اور دیگر حواس پر ایک ایسے حجاب کی آویزش ہے جس کی تعبیر کے لیے کوئی لفظ معلوم نہیں۔

ہفتم: اس حدیث میں نہ تو مومن کی طرف سے سلام پہنچنے کا کوئی واسطہ و وسیلہ مذکور ہے اور نہ جواب سلام کے لیے کسی واسطے اور وسیلے کا ذکر ہے۔ لہٰذا روایتوں میں تطبیق کی ایک صورت تو وہ تھی جو پہلے بیان کی گئی کہ درود سلام بھیجنے والے کے اخلاص و توجہ کی وجہ سے

بارگاہ رحمت پناہ تک صلوٰۃ وسلام کی رسائی میں واسطے وفاصلے کا قرب و بعد مذکور ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ صرف صلوٰۃ میں اخلاص و توجہ کے فرق سے قرب و بعد اور واسطہ و وسیلہ کا فرق پیدا ہوتا ہے مگر سلام کے لیے کسی واسطہ و وسیلہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے واسطہ سلام لیتے ہیں اور بے واسطہ جواب دیتے ہیں کیونکہ سلام کی اصل ہی ہے کہ بصیغۂ خطاب عرض کیا جائے اور مخاطبت کے لیے توجہ ضروری ہے۔ لہٰذا اِنِّیْ اَسْمَعُ سَلَامَ اَهْلِ مَحَبَّتِیْ بِغَیْرِ وَاسِطَۃٍ (میں اپنے اہلِ محبت کا سلام بغیر واسطہ سنتا ہوں) اس حدیث کی روایت ہم معنی ہے۔

حیاۃ الانبیاء

اس مسئلہ کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ سمجھنے اور جاننے کے لیے ماہنامہ تاج بہار کالونی کراچی کا حیاۃ النبی نمبر کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ پھر بھی چند سطریں مناسب موقع لکھ دی جاتی ہیں۔ حیات وموت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو حیات و موت کا خالق ہی بہتر جانتا ہے۔ شہداء کرام جن کے جسم کے ٹکڑے لوگوں کے سامنے ہوتے ہیں اور تکفین و تدفین بھی ان کی ہو جاتی ہے۔ قرآن کے اعلان کے مطابق وہ بایں جسم پارہ مدفون زندہ ہیں اور رزق بھی پاتے ہیں۔ اسی طرح کفار جو اپنے تنومند و

توانا جسموں کے ساتھ ارکانِ معاشرہ بنے ہوئے زندوں کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو مُردہ کہتا ہے۔

شہیدوں کی حیات ہماری بے شعوری و لاعلمی کی وجہ سے معلوم و محسوس نہیں ہوتی، اور کافروں کی موت ہماری بے بصیرتی و بے معرفتی سے دیکھی اور پہچانی نہیں جاتی۔ عام انسانوں کے بارے میں ہمارا علم اتنا بے نتیجہ و بے بنیاد ہے تو اخص الخواص یعنی انبیائے کرام کی حیات ہمارے علم و ادراک کے معیار پر کیونکر جانچی جا سکتی ہے۔ صریح حدیثیں ہیں۔ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ۔ تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور سب صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔ صلوٰۃ سے مراد اگر وہ اصطلاحی نماز ہے جس کا مظاہرہ ہم روزانہ پانچ وقت کیا کرتے ہیں تو اپنی قبروں میں بعد وفات انبیاءؑ سے ایسی نمازوں کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

شبِ معراج حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔

اور اگر یصلون سے مراد صلوٰۃ وسلام ہے تو حدیث زیرِ بحث میں یہ حقیقت بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سلامی کے درود وسلام کا جواب دیا کرتے ہیں۔ حیاتِ انبیاءؑ کے متعلق دوسری حدیث ہے نَبِیُّ اللّٰهِ حَیٌّ یُرْزَقُ (اللہ کے نبی زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں)

چنانچہ حدیث زیرِ بحث اور اس کی ہم معنی روایتوں کی بناء پر علمائے اعلام کا فیصلہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات آنی تھی یعنی زمانہ

کے ایک مختصر ترین وقفہ میں جسم کی حیاتی حکمت کو سکون ملا اور پھر جسمِ اطہر متحرک ہو گیا۔ دو حرکتوں کے درمیان جو ایک آنی سکون پیدا ہوا وہ نفی حیات وسلب زندگی کے لیے نہ تھا بلکہ دفتر نبوّت پر مہر ختمیّت تھی اور بس۔ اس آنی وفات کے بعد جب حرکت حیات جسم میں دوبارہ ظاہر ہوئی تو پھر آج تک جاری ہے کیونکہ صلوٰۃ وسلام سے کوئی آن خالی نہیں اور جواب سلام کے لیے جسم وروح دونوں وابستہ ہیں۔

اس حدیث میں جہاں درود وسلام بھیجنے والوں کی اس سعادت وخوش نصیبی کا اعلان ہے کہ ہمارے درود وسلام کا اجر اللہ ربّ العزّت دیتا ہے۔ اس کے تمام فرشتے درود وسلام بھیجنے والوں پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں وہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ خود حبیب رب العالمین اپنے غلاموں، جاں نثاروں اور اہالیان محبت کو جواب سلام سے نوازتے ہیں۔ اور جو خوش نصیب ہمیشہ حضور علیہ السلام کے جوابِ سلام سے سر بلند ہوتا رہے گا وہ دنیا و آخرت میں یقیناً قریب سے قریب تر ہوتا جائے گا اور کل قیامت میں آپ کی شفاعت خاص سے بہرہ مند ہو گا جیسا کہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہے نیز جب شریعتِ اسلامی میں عرضِ سلام سُنّت اور جواب سلام واجب ہے تو یہ کیونکہ ممکن ہے کہ ہم سلام عرض کریں اور خود صاحب شریعت علیہ السلام واجب کو ترک کریں اور ہمارے سلام کا جواب نہ دیں۔ قرآن وحدیث نے ہر مومن پر فرض کر دیا ہے کہ خواہ زمانۂ بعثت میں وہ مومن ہو یا زمانۂ بعثت کے بعد قیامت تک کبھی ہو حضور علیہ السلام پر سلام عرض کرے

شریعت کی رو سے سلام کا جواب بھی حضور علیہ السلام کی طرف سے ملتا رہے گا آپ کبھی واجب ترک نہیں کریں گے اور واجب بھی حقوق العباد۔

حدیث ۳۵: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ وَکَّلَ بِقَبْرِیْ مَلَکًا اَعْطَاہُ اَسْمَاءَ الْخَلَائِقِ فَلَا یُصَلِّیْ عَلَیَّ اَحَدٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا اَبْلَغَنِیْ بِاسْمِہٖ وَاِسْمِ اَبِیْہِ ھٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَدْ صَلّٰی عَلَیْکَ۔ (بزار۔ ابن حبان۔ طبرانی)

ترجمہ: حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ ربّ العزّت نے ایک ایسا فرشتہ میری قبر پر متعیّن کر دیا ہے جس کو تمام مخلوقات کا علم۔ نام ولدیت کے ساتھ عطا ہوا ہے۔ پس کوئی بھی مجھ پر قیامت تک درود نہیں بھیجے گا مگر وہ فرشتہ پہنچائے گا مجھ تک درود فلان کا نام ولدیت کے ساتھ کہ یہ فلاں شخص، فلاں کے بیٹے نے آپ پر صلوٰۃ بھیجی ہے (اور دوسری روایت میں ہے بعد وفات میری قبر پر متعیّن کرے گا)

اس روایت کی سند میں اگرچہ ایک ایسا راوی ہے جس کے حالات محدثین کو معلوم نہیں ہیں۔ ممکن ہے وہ اعلےٰ مرتبہ کا ثقہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں کوئی ضعف ہو مگر مضمون کے اعتبار سے دوسری روایتوں کے ساتھ اس روایت کو اجماعی موافقت حاصل ہے اور فضائل اعمال کے باب میں بالاتفاق تمام علماء ضعیف روایتوں کو مستند و معتبر تسلیم کرتے

ہیں۔ لہٰذا یہ روایت بھی معتبر رہے گی۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب

بعض لوگوں کو روایتوں کے مضامین سے ممکن ہے یہ الجھن ہو کہ آیا صلوٰۃ وسلام حضور خود سماعت فرماتے ہیں یا سیاحین وگشتی فرشتے صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں یا روضۂ انور پر تعینات فرشتہ صلوٰۃ وسلام پہنچاتا ہے تو ادنےٰ تامل سے یہ اُلجھن دور ہو جائے گی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بہ تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ قرب و بعد اور واسطہ و بلا واسطہ دراصل ہمارے اخلاص و حضورِ قلب پر موقوف ہے اور چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تمام فرشتے بطورِ خود صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام بھیجنے والوں کو دس گنے سے ستر گنے تک جواب صلوٰۃ وسلام دیتے ہیں۔ اس عمل خیر میں دوسرے فرشتوں کے ساتھ گشتی فرشتے اور مؤکل فرشتے سب ہی بلا استثناء شریک ہیں اور سب کے سب اپنے اپنے طور پر بارگاہ رسالت پناہ میں صلوٰۃ وسلام بھیجتے اور امت کے صلوٰۃ وسلام اپنے جوابات کے ساتھ حضور میں پیش کرتے ہیں لہٰذا روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤکل فرشتہ تمام خلائق کے نام و ولدیت سے آگاہ ہے اور ساری خلقت اس کی سماعت و بصارت کے احاطے میں ہے یعنی وہ فرشتہ تمام مخلوقات کے حق میں حاضر و ناظر

اور سمیع و بصیر ہے۔
کسی فرشتے کے حق میں حدیث کی بنیاد پر یہ عقیدہ شرک نہیں ہوا تو حضور سیّد عالم صلّے اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر و عالم کہنا کیونکر شرک ہو گا۔ فرشتہ بھی تو آخر خدا نہیں ہے اور اس کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے شرک تو جب ہوتا کہ یہ صفات اللہ رب العزت کے لیے خاص ہوتے اور کسی مخلوق کی طرف ان کی نسبت محال و ممنوع ہوتی۔ جو صفات خاصہ الٰہیہ ہیں وہ نہ فرشتوں میں پائی جائیں گی اور نہ نبیوں اور رسولوں میں پائی جائیں گی۔
غور فرمایئے کہ جب آستانۂ رسالت کا میر عرض یعنی پیش کار خلقت کے لیے حاضر و ناظر ہو تو صاحب بارگاہ کے علم و حضور کا کیا معیار و مرتبہ ہو گا۔ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (اللہ نے آپ کو جو کچھ نہ معلوم تھا بتا دیا اور اللہ کا فضل آپ پر بے اندازہ عظیم و بے پایاں بزرگ ہے) یہ اعلان نہ کسی اور نبی کے حق میں ہے اور نہ کسی بڑے سے بڑے فرشتے کے بارے میں۔ پھر بھی بعض لوگ حضور کے علم کو فرشتوں سے کمتر بتاتے ہیں بلکہ یہاں تک اپنی نادانی سے کہہ جاتے ہیں کہ دین کا علم حضور کو زیادہ ہو تو ہو مگر دنیا کا علم دوسرے انسانوں کو زیادہ ہے اور دلیل میں اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ کا جملہ پیش کرتے ہیں (تم لوگ دنیاوی معاملات زیادہ سمجھتے ہو) افسوس اندازۂ کلام سے ناواقفیت لوگوں سے کیا کیا کہلواتی ہے۔

حدیث ۳۶: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً (ترمذی۔ ابن حبان)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ بیشک قیامت کے دن مجھ سے قریب تر وہ ہو گا جو بکثرت مجھ پر درود بھیجے۔ (ترمذی۔ ابن حبان)

اسی لیے بقول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ علمائے ربانی کا قول ہے کہ استغفار بہت اہم فریضہ سہی مگر اپنے حق میں بندوں کا استغفار یعنی طلب مغفرت کے متعلق کوئی شخص یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی دعا قبول ہو گئی کیونکہ بارگاہِ صمدیت میں قبولیت دعا کے لیے نیت، اخلاص، قلب و روح کے ساتھ توجہ الی اللہ اظہارِ عجز و نیاز اور ہر وسوسہ و خیال سے دل کا پاک ہونا ضروری ہے ہم اپنی دعاؤں کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ قبولیت کی تمام شرطیں بتمام و کمال پوری ہو گئیں للہذا قبولیت دعا کے لیے یقین و استحقاق کی گنجائش نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ اللہ کریم و مفضال اپنی رحمتِ کاملہ سے ہماری ناقص اور ناکارہ دعاؤں کو قبول کر لے۔

مگر درود شریف کی قبولیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ ہمارا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فعل کی محض تحسین و تائید ہے۔ خواہ بہ صیغۂ دعا ہو جیسے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ خواہ صیغۂ ماضی ہو جیسے صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّبَارَكَ وَسَلَّمَ

خواہ بصورت جملہ اسمیہ ہو جیسے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ اور یَا نَبِیُّ سَلَامٌ عَلَیْکَ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اپنے کسی فعل کے متعلق ردّ و قبول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم صلوٰۃ و سلام کے ذریعے حضور حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کریں اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فہرست میں اپنا نام درج کرائیں تاکہ اب جب حسب ہدایتِ الٰہی اِسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (قرآنِ حکیم) اپنے غلاموں کے لیے بارگاہِ صمدیت میں مغفرت خواہ ہوں تو ہماری بھی مغفرت ہو جائے کیونکہ ہماری اپنی دعاؤں کی قبولیّت کا کوئی یقین نہیں ہے اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعاؤں کے رَد کا شبہ بھی نہیں ہے لہٰذا جب کثرتِ صلوٰۃ و سلام سے آپ کی قربت و ولایت حاصل ہو گئی تو یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جو نجات و فلاح کی منزل تک یقیناً پہنچاتی ہے یہاں تک کہ پل صراط بھی سدِ راہ نہیں ہو گا۔

جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے کہ مومن حضور پر کثرت سے صلوٰۃ و سلام بھیجنے سے نہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ قیامت میں پل صراط کو عبور کر لے گا اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم پل صراط کے سرے پر کھڑے ہوئے ہم لوگوں کو لغزش پانے سے بچانے کے لیے رَبِّ سَلِّمْ! رَبِّ سَلِّمْ! کا سہارا دے رہے ہوں گے۔ ہمارا آج کا رَبِّ سَلِّمْ وَصَلِّ عَلَیْہِ کہنا کل روزِ قیامت میں ہمارے لیے زبانِ محبوب پر رَبِّ سَلِّمْ بن جائے گا۔

حدیث ۳۷: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً

لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِکَۃُ تُصَلِّیْ عَلَیْہِ مَا صَلّٰی عَلَیَّ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضور نے فرمایا جو کوئی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے فرشتے اُس پر صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں جب تک مجھ پر صلوٰۃ بھیجی جاتی رہے۔ (احمد و ترمذی)

حدیث ۳۸: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ یَوْمٍ اَلْفَ مَرَّۃٍ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی یَرٰی مَقْعَدَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ (ابو حفص)

ترجمہ: حضور نے فرمایا جو کوئی مجھ پر ایک ہزار درود یومیہ بھیجے، مرنے سے پہلے اپنی نشست گاہ جنّت میں دیکھ لے گا۔ (ابو حفص)

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ کوئی مختصر سا درود اپنی زبان پر جاری رکھیں تاکہ ایک ہزار بار یومیہ کا وظیفہ ہو جایا کرے۔ چونکہ نماز سے خارج میں صلوٰۃ و سلام کی کوئی معیّن صورت نہیں ہے لہٰذا ہر صلوٰۃ و سلام اس حدیث میں داخل ہو جائے گا۔

درودِ ابراہیمی نماز کا متعیّن درود ہے۔ نماز سے باہر صلوٰۃ و سلام کے لیے درودِ ابراہیمی کی قید نہیں ہے۔ ہم ہر درود پڑھ سکتے ہیں مثلاً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ وَسَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبِیْ، اَللّٰہُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ یا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وغیرہ وغیرہ۔ جو لوگ خارج نماز بھی درودِ ابراہیمی ہی پر زور دیتے ہیں اور دوسرے درود دعا مثلاً:

یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْکَ	یَا رَسُوْلْ سَلَامٌ عَلَیْکَ
یَا حَبِیْب سَلَامٌ عَلَیْکَ	صَلَوٰاتُ اللّٰہ عَلَیْکَ

کو ناجائز سمجھتے ہیں سخت غلطی پر ہیں کیا ان کے نزدیک صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام نہیں ہے۔ اگر صلے اللہ علیہ وسلم درود نہیں ہے تو پھر تمام کتابوں میں سلف اور خلف تک تمام علماء کی زبانوں پر حضور کے نامِ پاک کے ذکر کے وقت یہ کلمہ کیوں رائج ہے؟ اور کیا نامِ پاک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کے بعد بھی ادائے صلوٰۃ و سلام کی ذمہ داری باقی رہتی ہے اور نامِ پاک سن کر صلوٰۃ و سلام کے ترک کا جرم اور اس پر مواخذہ بروز قیامت ہوگا اور تمام علماء محدثین، صوفیاء مفسرین بلکہ ساری اُمّتِ محمدیہ (علےٰ صاحبہا الثناء والتحیہ) حسبِ دعائے جبریل علیہ السلام اَبْعَدَ اللّٰہُ مَنْ ذُکِرْتَ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ۔ ترجمہ (اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور رکھے جس کے سامنے آپ کا نام لیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے) کی وعید میں ماخوذ ہو کر جہنمی ہوں گے۔ (معاذ اللہ)

اگر صلے اللہ علیہ وسلم درود و سلام کا جملہ ہے تو یہ یقیناً درود ابراہیمی نہیں ہے۔ جس کی تعلیم نمازوں کے لیے ہوئی ہے لہٰذا نماز سے باہر ہر صلوٰۃ و سلام کے ذریعے ایک مومن درود خوانی کے فضائل و انعامات حاصل کر سکتا ہے۔

حدیث ۳۹: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا کَاھِلٍ! مَنْ صَلّٰے عَلَیَّ کُلَّ یَوْمٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَکُلَّ لَیْلَۃٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ حُبًّا اَوْ شَوْقًا اِلَیَّ کَانَ حَقًّا عَلَے اللّٰہِ اَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ ذُنُوْبَہٗ تِلْکَ اللَّیْلَۃِ وَ ذٰلِکَ الْیَوْمِ۔ (ابو عاصم، طبرانی)

ترجمہ: حضور کا اعلان ہے اے ابو کاہل! جو کوئی مجھ پر ہر روز تین بار اور ہر رات تین بار میری محبت یا میرے اشتیاق میں مجھ پر درود بھیجے رحمتِ الٰہی کے ذمے ہے کہ اس دن اور اس رات کے اس کے گناہ بخش دے۔ (ابو عاصم، طبرانی)

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ جب تین بار درود پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو پھر سو، ہزار اور لاکھ کی کیا ضرورت ہے؟ تو ایسا خیال پست ہمتی و کم حوصلگی بے خبری و ناواقفی ہے۔ نجات تو اُخروی نعمتوں میں ابتدائی چیز اور پہلا زینہ ہے۔ ایک مومن کا مقصد اور ایمان کا مدّعا اللہ کی ذات کی معرفت اور صفات میں عروج ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اپنے ستوُن و تجلّیات میں نامحدود و غیر منتہی ہے۔ بعض جلوے اس دار دُنیا کے مناسب ہیں جن کا ظہور و معرفت یہاں ہوتا ہے۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے حسن و کمال کی رنگینیاں دنیاوی تجلیات میں منحصر نہیں ہیں اور عرفانِ الٰہی میں مُومن کا عروج اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ہماری ترقیاں لامتناہی ہیں جو آخرت میں تا ابد جاری رہیں گی۔

مغفرت کے بعد ذاتی و صفاتی عروج و ارتقار کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ لہٰذا درود شریف کی کثرت سے جو درجات کے اضافے اور حسنات کے ازدیاد کا سبب ہے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

صلوٰۃ کی حقیقت

صلوٰۃ (درود) اللہ کی طرف سے ایک اصطلاحی انعام ہے اس کی

صحیح حقیقت کا علم ذہن عوام سے بالاتر ہے۔

اہلِ لغت صلوٰۃ کے جو مختلف معانی بیان کرتے ہیں اور صلوٰۃ بھیجنے والوں کے اعتبار سے اس کے معنی تعیّن کرتے ہیں وہ ان کے اپنے قیاسات ہیں۔ قرآن و حدیث کے نصوص اس کے متعلق خاموش ہیں۔ اہل لغت کی قیاس آرائیوں کی اصل اس سے زیادہ کوئی اہمیّت نہیں رکھتی کہ ابتدائی افہام و تفہیم کی ایک راہ ہے جیسے بچوں کو حرف ہجا اور اعراب و سکون کی تعلیم دی جاتی ہے۔

قرآن مجید نے یہ نہیں کہا کہ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے تو، تو کچھ اور، صلوٰۃ اللہ کی ایک اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی جانتا ہے۔ قرآنِ مجید نے صلوٰۃ کی حقیقت تو نہیں بتائی مگر اس حقیقتِ نیرّہ کی طرف اشارہ ضرور کر دیا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (قرآن) اللہ ہی کی ذات ہے جو تم پر صلوٰۃ بھیجتی ہے اور اس کے فرشتے، تاکہ نکالے تم کو تہ بتہ تاریکیوں سے نور کی طرف۔

اِن کلماتِ قرآنیہ میں غور و تدبّر سے صلوٰۃ کا مفہوم ذہن میں کسی قدر ضرور آجاتا ہے۔ گویا صلوٰۃ ایک زینہ ہے جس کے ذریعے سے ایک مومن تاریکیوں سے نکل کر بلندی کی طرف چڑھتا ہے۔

"ظلمات"، ظلمت کی جمع ہے اس کے معنی ہیں "تاریکی"، "الظلمات۔ تمام انواعِ ظلمت کو شامل ہے۔ اس کے مقابلے میں "نور"، ہے جو کلمہ

واحد ہے اس کے معنی ہیں "روشنی"۔ النور سے ایک خاص بسیط نور مراد ہے جس کا تجزیہ نہیں ہوتا۔ بخلاف کلمۂ الظلمات اپنی کثافت غلظت اور ضخامت کے اعتبار سے نوع بنوع کی تجزیہ کو قبول کرتا ہے۔

صلوٰۃ ایک مخفی زینہ ہے جو مومنین کو ظلمت کے ایک ایک درجہ سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اس طرح ہر قدم رفعت و عروج کی طرف بلند ہوتا اور مرکز نور سے قریب تر کرتا جاتا ہے اور مرکز نور کیا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے) ملاء اعلےٰ والے بھی اسی مرکز نور کی طرف عروج کرتے ہیں اور اہلِ زمین کا مقصود سفر بھی وہی نور ہے یہ نور تجزی سے پاک ہے۔ اس کی تجلّیات کون و مکان کو محیط ہیں۔

ان کلمات میں کثیف تر ظلمت کفر و شرک ہے اقرار ایمان کے بعد انسان ظلمتِ کفر سے نکل کر سرحدِ نور میں داخل ہو جاتا ہے کفر و ایمان کا فاصلہ اللہ ربّ العزّت کی فرستادہ صلوٰۃ سے طے ہوتا ہے داخلۂ ایمان کے بعد ارتکاب کبائر سے تطہیر کی منزل ہے چنانچہ اس مقام میں صلوٰۃ کی مدد و دستگیری سے انسان فسق و فجور کی ظلمت سے نکل کر طاعت و انقیاد کے حدود نورانی میں قدم رکھتا ہے بعدہ ارتکاب صغائر سے تزکیہ کی منزل ہے۔ صلوٰۃ الٰہیہ انسانوں کو صغائر کی ظلمت سے نکال کر عصمت و ولایت کے نورانی مقام کی طرف بلند کرتی ہیں بعد ازاں سہو نسیان اور غفلت کی منزل ہے۔ نجات کی منزل ہے اور صلوٰۃ الٰہیہ جب اِس منزل سے

گزار دیتی ہیں تو آئندہ غفلت و سہو کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

کفر و شرک۔ فسق و فجور۔ صغائر و کبائر۔ ترک اولٰے۔ سہو۔ نسیان۔ غفلت۔ ظلمات و حجابات ہیں اور یہ تمام حجابات انسان کے اپنے وجود سے وابستہ ہیں۔ ایسی بات نہیں ہے کہ انسانی وجود کو خارج سے یہ حجابات لیے ہوئے ہوں۔

جب انسان اپنے وجودی حجابات کو صلوات الٰہیہ کی دست گیری سے طے کر لیتا ہے تو اس کے بعد بے شمار تجلیات و انوار کے حجابات ہیں جن کی حیثیت شعاعوں اور کرنوں کی ہے جو مرکزِ نور سے پیدا ہو کر طالب دیدار کی آنکھوں کا حجاب بن جاتی ہیں اور صلوات الٰہیہ آناً فاناً رفعت و برتری کی طرف لے جاتی ہیں۔ ہر سابقہ مقام نئی منزل کے مقابلے میں ظلمت نظر آتا ہے اور منزلِ نو مقامِ نور دکھائی جاتی ہے اور عروج و ترقی کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے اور جاری رہے گا۔ صلوٰۃِ الٰہیہ عروج و رفعت کا زینہ ہیں اور استغفار دونوں مقامات کے درمیان تفریق کا ذریعہ اظہار ہے۔ جب تک دونوں مقامات کا فرق ظاہر نہیں ہو جاتا۔ مغفرت و طلب مغفرت کا مفہوم پوشیدہ رہتا ہے۔ مغفرت منزلِ جدید پر پہنچ کر کرمِ خداوندی کا احساس اور اپنی انابتِ تازہ کا اظہار ہے جب کہ صلوٰۃ کی حیثیت زینہ اور سیڑھی کی ہے۔

اللہ ربّ العزّت اپنے بامِ نور سے صلوٰۃ کا زینہ بندے کے لیے آویزاں کرتا ہے اور ملائکہ اس زینے کو مرکزِ محبوبیت تک پہنچاتے اور استوار کرتے ہیں۔ جو لوگ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے اور ان کا

تقرب حاصل کرتے ہیں۔ صلوٰتِ الٰہیہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے بندگانِ مقرب کی راہ ترقی تک وسیع ہو جاتی ہے۔

اللہ ربّ العزّت کی طرف سے صلوٰۃ و سلام کا نزول مرکز واحد یعنی ذات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر ہوتا ہے اور اس عالمِ ظہور میں مرکز رسالت سے صلوٰۃ و تسلیمات ہر درود خواں تک پھیلتی ہے۔ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقتِ باطنہ کے لحاظ سے ذات صمدیت سے اتصال رکھتے ہیں اور اپنی حقیقت ظاہرہ کے اعتبار سے تمام مومنین کی حقیقتوں کے جامع ہیں چنانچہ بانیٔ دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی ذاتِ محمدی علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو اس حیثیت سے حقیقت جامعہ تسلیم کرتے ہیں اور ہر مومن کو اس کی ایمانی جہت میں حضور کی ذات میں گم سمجھتے ہیں۔ حضور کی ذات مومنین کی اصل ہے اور تمام مومنین آپ ہی کے ایمان کی فرع چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ انفس نفس کی جمع ہے نفس کے معنی روح یعنی حضور علیہ السلام کے وجود باجود میں تمام روحوں کا عطر سمٹ آیا ہے اور آپ کی ذات میں تمام حقیقتیں مجتمع ہو گئی ہیں۔ صلوٰۃ الٰہی آپ پر نازل ہوتی ہے اور مومنین اپنی صلوٰت و تسلیمات کے ذریعے سے ذاتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسّلام میں اپنی جہت ظہور کو قوت دے رہے ہیں اور تقرب و اتصال حاصل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ تمام حجاباتِ حق جن کا منشا ان کا اپنا وجود ہے دور ہو جاتے ہیں اور اہلِ باطن میں نورانی حجابات یکے بعد دیگرے اٹھتے جاتے ہیں۔ اہلِ ایمان

اپنی ذات سے، ذاتِ محمدی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں اپنے وجود سے وجودِ محمدی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں اپنی صفات سے صفاتِ محمدی علیہ السلام میں تحلیل ہو کر فنا ہو جاتے ہیں اور دوامًا مقامِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسّلام میں قیام ہوتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر سالک اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان سے سارے حجابات نور میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ کی منزل آ جاتی ہے۔

حدیث ۶۲: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ اَیُّمَا رَجُلٍ مُّسْلِمٍ لَّمْ یَکُنْ عِنْدَہٗ صَدَقَۃٌ فَلْیَقُلْ فِیْ دُعَائِہٖ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ فَاِنَّھَا زَکوٰۃٌ۔ (ابن حبان)

ترجمہ: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جس مسلمان کے پاس صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اسے چاہیئے اپنی دعا میں کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ تو اس درود میں ناداروں کو فرض زکوٰۃ کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن حبان)

حدیث ۶۳: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ اَکْثِرُوْا مِنَ الصَّلوٰۃِ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْھُوْدٌ تَشْھَدُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَّنْ یُّصَلِّیَ

عَلَيَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا۔ قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ (عليهم الصلوٰة والسلام)

ترجمہ: حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود و سلام بھیجو اس لیے کہ جمعہ حاضری کا دن ہے۔ فرشتوں کی جماعت حاضر ہوتی ہے اور کوئی شخص مجھ پر درود نہیں بھیجتا ہے مگر وہ درود مجھ پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو درود خوانی سے۔ صحابی کا قول ہے۔ میں نے عرض کیا اور کیا وفات کے بعد بھی؟ (آپ پر درود پیش ہوں گے) ارشاد گرامی و عالی ہوا بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام طاہرہ کو گزند پہنچائے (ابن ماجہ)

اس حدیث اور سابق میں مذکور متعدد احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر عمل خیر کو ہمیشہ اپنا معمول بنانا اور ان کی مداومت کرنی چاہیئے اور کسی عمل خیر و سعادت کے لیے خصوصی طور پر سال، ماہ اور ہفتے کے ایام و تواریخ کی تعیین جائز اور شریعت کے مطابق ہے۔ چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے۔

حدیث ۱۲: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءَ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَّرَاكِبًا وَّيُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ۔

(صحاح ستّہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سنیچر کو مسجد قبا میں تشریف لاتے خواہ چل کر یا سوار ہو کر اور دو رکعت (نفل) نماز ادا کرتے۔

(یہ حدیث صحاح ستہ یعنی بخاری و مسلم وغیرہ حدیث کی چھیوں کتابوں میں ہے)

علاوہ ازیں تمام اسلامی عبادات جو خالص خیر و سعادت ہیں۔ اوقات، ایام اور تواریخ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کوئی نادان ہی ہوگا جو کسی عمل خیر کے لیے اوقات و ایام کی تعیین کو ناجائز و خلافِ شرع کہے۔

تعیین تاریخ کے اس عمومی حکم کے علاوہ حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت کی یاد میں اللہ ربّ العزّت کے ان خاص افضال و عنایات کی شکر گذاری کے لیے ہفتے کے ہر پیر کو نفلی روزہ شریعت سے ثابت ہے۔

حدیث ۴۳: عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُّ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہا حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ پیر کے دن کے روزے کے بارے میں تو آپ نے فرمایا۔ اس دن میری ولادت ہوئی اور اس دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔

لہٰذا ہر پیر کے دن حضور کی ولادت والے پیر کے دن سے نسبت رکھنے کے باعث متبرک ٹھہرا اور نفلی روزے کے قابل قرار دیا گیا۔ یہی منزلت ہر ربیع الاول

اور اس کی خاص تاریخ کی ہوتی ہے۔ یوم معراج بھی ہر سال اس قاعدہ کے تحت درست ہے۔

حدیث ۱۴ سے دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام مطہرہ کے ساتھ زندہ ہیں اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جسم و روح کے اتصال کے ساتھ ہمارے درود و سلام قبول فرماتے ہیں ورنہ صحابی کے سوال وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ (وفات کے بعد بھی؟) کے جواب میں بقائے جسم کا ذکر فضول و عبث ہے۔ آپ فرما دیتے کہ ارواح محفوظ ہیں، اور میری روح کے سامنے عالم برزخ میں درود و سلام پیش کیا جائیگا۔ تیسری بات اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوئی کہ جمعہ یوم مشہود ہے اور فرشتے جماعت در جماعت شریک و حاضر ہوتے ہیں۔ اس دن درود و سلام میں فرشتے جماعت بنا کر شریک ہوتے ہیں۔ لہٰذا حلقہ و جماعت بنا کر کسی کارِ خیر کو انجام دینا شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ ہے بالخصوص درود و سلام کا حلقہ قائم کرنا اور ذکرِ رسول اور صلوٰۃ و سلام کی محفلیں منعقد کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محبوب ہے اور فرشتے اس میں حاضر رہتے ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ اجتماعی عمل میں غفلت کیشوں کو بھی عمل خیر کی سعادت و توفیق میسر آجاتی ہے۔ اللہ جزائے خیر دے ان لوگوں کو جو درود و سلام کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ جمعرات و جمعہ کو حلقے قائم کرتے ہیں اور نمازِ جمعہ کے بعد بارگاہِ رحمت پناہ میں صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں جس میں شریک ہو کر بہتیرے غافلین بھی سعادت یاب

ہو جاتے ہیں۔

چوتھی بات اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ درود از خود حضور تک پہنچتا ہے۔ ہر حال میں وساطت و معرفت ضروری نہیں ہے۔ خصوصاً جمعہ کے دن کا سلام و درود تو پیش نظر روایت کی بناء پر حضور تک براہِ راست پہنچتا ہے کیونکہ عَرَضَتْ عَلَيَّ فعل معروف ہے اور صلوٰۃ۔ عَرَضَ کا فاعل ہے۔ جو لوگ عرضت کو فعل مجہول قرار دیتے ہیں ان کو بلاوجہ تاویل کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ ہوائے نفس کی وجہ سے ہے۔ ورنہ کلام میں اصل یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے کلام کو تاویل سے بچایا جائے۔ اسی قدر بہتر و صحیح ہے۔ خصوصاً جب تاویل سے کوئی خاص فائدہ بھی حاصل نہیں ہو رہا ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مضمون حدیث ظاہر کر رہا ہے کہ ایک طرف درود حضور تک پہنچتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ درود خواں اپنے اس عملِ خیر سے فارغ ہوا اور جو فرشتے شریک محفل ہوئے وہ خاتمۂ درود خوانی تک حاضر محفل رہتے ہیں۔ اگر وصول صلوٰۃ کے لیے فرشتوں کی وساطت ضروری ہوتی تو درودوں کا یہ گلدستہ خاتمۂ درود کے بعد فرشتے لے جاتے ہیں اور آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ کلماتِ حدیث بتا رہے ہیں کہ اثنائے درود خوانی میں ہی آپ تک درود پہنچتا رہتا ہے۔ جن دلوں میں کجی ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ سب فرشتے محفل سے اُٹھ کر نہیں جاتے، بلکہ ہر کارندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے اور یکے بعد دیگرے

فرشتے درود پہنچاتے رہتے ہیں تو یہ ایسی تاویلات ہیں جو اس حدیث پاک کے الفاظ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی ہیں۔ نیز اس روایت میں کسی ایلچی، قاصد، ہرکارہ اور واسطے کا ذکر نہیں ہے۔ لوگ اپنے جی سے کوئی گرہ لگا دیں اور حدیث کی تصحیح و ترمیم کریں تو اس کے ذمہ دار وہ خود ہونگے۔

سوم: "عرضت" کا فاعل یہاں ملائکہ کو قرار دینا نامناسب ہے کیونکہ ملائکہ کے لیے سابق میں ایک فعل مضارع تَشْهَدُ آچکا ہے۔ اگر عرضت کے فاعل بھی ملائکہ ہوتے تو اندازِ بیان کا تقاضا اور کلام کی صحت و خوبی چاہتی ہے کہ عَرَضَتْ فعل ماضی کے بدلے تَعْرِضُ فعل مضارع لایا جائے اور یہاں عَرَضَتْ ہے۔ لہٰذا اس فعل کا فاعل ملائکہ نہیں ہے بلکہ صلوٰۃ ہے یعنی صلوٰۃ آپ صلے اللہ علیہ وسلّم پر از خود پیش ہوتی ہے۔

چہارم: کلمہ عَرَضَ لازم اور متعدی دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ فعل لازم ماننے کی صورت میں صلوٰۃ اس کا فاعل ہوگا اور عَرَضَ الفَرَسُ (گھوڑا تیزی سے دوڑا) کلام عرب کے محاورے کے مطابق مقصود کلام یہ ہے کہ درود سرعت و عجلت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تک فی الفور پہنچ جاتا ہے کسی توقف و واسطے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آج تو ہم ریڈیو کو دیکھتے ہیں کہ ہر آواز کو آن کی آن میں بلا تاخیر ساری دنیا میں پہنچاتا ہے۔ درود جو خود کلمۂ طیب و پاک ہے اپنے اندر سرعت و تیزی رکھتا ہے اور حضور علیہ السّلام سننے والے ہیں اگر دل سے زبان تک آتے آتے حضور علیہ السّلام تک از خود پہنچ جائے تو کیا جائے تعجب ہے۔

یہ مفہوم کلام کی شناخت اور اس کی قوت کے عین مطابق ہے۔

حدیث ۴۴: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّ صَلٰوۃَ اُمَّتِیْ تُعْرَضُ عَلَیَّ فِیْ کُلِّ یَوْمِ جُمُعَۃٍ فَمَنْ کَانَ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً کَانَ اَقْرَبُھُمْ مِنِّیْ مَنْزِلَۃً (بیہقی)

ترجمہ: جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود بھیجو! اس لیے کہ میری امت کے درود ہر جمعہ کو مجھ پر پیش ہوتے ہیں تو جو کوئی مجھ پر زیادہ درود بھیجنے والا ہے میرے نزدیک اس کی منزلت اوروں سے قریب تر ہے۔

جو لوگ اپنی عقل کے باٹ سے خاکی بشریت کے ترازو میں آنحضرت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حقیقت کو تولتے ہیں ذرا اس حدیث پر غور فرمائیں کہ ایک دن میں کروڑوں مسلمانوں کا درود و سلام، بلکہ تمام نیک و بد اعمال پیش ہوتے ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ان پر تفصیل وار مطلع ہوتے ہیں آخر یہ کس طرح ممکن ہے؟

مگر یہ واقعہ ہے۔ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ورنہ آنحضرت علیہ السلام کی تکذیب ہوگی اور حدیثوں سے انکار کرنا پڑے گا۔

لہٰذا نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اپنے مقابل لاکر اپنی بشریت سے ان کو ملانا سخت نادانی اور بے خبری ہے۔

حدیث ۴۵: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا

عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْہِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وَکَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اَرِمْتَ یعنی بلیتَ؟ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ (رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم۔احمد)

ترجمہ: حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ تمہارے تمام دنوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا دن جمعہ ہے۔ اس دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن فوت ہوئے اور اسی دن قیامت ہے تو اس دن مجھ پر بکثرت درود بھیجو! کیونکہ تمہارا درود مجھ کو پہنچتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اور کس طرح ہمارا درود آپ کے پاس پہنچے گا حالانکہ آپ زمین میں مل چکے ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ نے حرام کر دیا ہے زمین پر انبیاء کے اجساد کو گزند پہنچانے سے

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

اوّل: آدم علیہ السلام کی خلقت اور وفات کا دن متبرک اور متفضّل دن ہے۔ نیز قرآنِ مجید میں سیّدنا عیسٰی و یحیٰی علیہما الصّلٰوۃ والسلام کے حق میں وارد ہوا ہے کہ ان حضرات کی پیدائش اور وفات کے دن سلامتی و برکت کے دن ہیں۔ وَسَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا (اور سلامتی ہے ان پر جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات ہوئی اور جس دن زندہ اٹھیں گے)۔ اسی طرح وَسَلَامٌ عَلَیَّ یَوْمَ

وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن میں زندہ اُٹھایا جاؤں گا)۔ لہٰذا حدیث شریف اور قرآن مجید کی دونوں آیتوں سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ پیغمبروں کی ولادت اور وفات کے دن خاص فضیلت اور سلام و برکت کے دن ہیں۔

نیز مذکورۂ بالا حدیث و قرآن کی روشنی میں اس مسئلہ کی بھی تحقیق آسان ہے کہ اولیائے کرام و علماء اعلام کے ایام ولادت و وفات بھی فضیلت و برکت اور سلامتی کے دن ہیں کیونکہ اُمّتِ مرحومہ کے اولیاء۔ علماء، انبیائے بنی اسرائیل کے مماثل ہیں، اور ان کے خلفاء و ورثاء اور جانشین ہیں۔ ان حضرات کو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ عزاسمہٗ و جلّ جلالہٗ کی قربت و معیّت حاصل ہے۔

دوم: فضیلت کے دنوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اُن کو اُخروی سعادت کا ذریعہ بنانا چاہیئے۔

سوم: جن دنوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا کوئی فضل و کرم ظاہر ہو اس نسبت سے آئندہ بھی وہ ایام متبرک و مبارک رہتے ہیں مثلاً ہر جمعہ کو آدم علیہ السلام کی ولادت و وفات نہیں ہوتی اور ہر عاشورہ کو موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب نہیں ہوتے۔ ہر عشرۂ ذی الحجہ کو ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند کو قربان نہیں کرتے۔ اور ہر ماہ رمضان میں قرآن نہیں نازل ہوتا مگر یہ تمام تاریخیں اور دن اپنی قدیمی نسبت سے مکرم و محترم، افضل و

متبرک ہیں، اور ہمیشہ رہیں گے۔

چہارم: ایام فضل و سرور کو کامیاب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ان دنوں میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود و سلام بھیجیں۔

یہی وجہ ہے کہ سادات و مشائخ کے خاندانوں اور قدیم المذاہب مسلمانوں میں ہمیشہ سے رائج ہے کہ اپنے اعزا و احباب کی وفات کے موقعوں پر محفلِ میلاد منعقد کرتے اور بارگاہ رحمت پناہگاہ میں صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں۔

پنجم: غور طلب بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام نے یہ سوال نہیں کیا کہ جب آپ ہمارے درمیان موجود ہیں، اور ہم لوگ مختلف مشاغل کے سلسلے میں مثلاً تبلیغ جہاد، شب باشی، کسب معاش وغیرہ کی وجہ سے آپ سے ظاہراً جدا ہو جاتے ہیں اور کبھی سفروں میں شبانہ یوم آپ کے قدموں سے لگے رہتے ہیں۔ تو آخر کس وقت آپ کے سامنے ہمارے اعمال نامے پیش ہوتے ہیں۔ ہماری صلوٰۃ عرض ہوتی ہیں جن پر تفصیل وار آپ مطلع ہوتے ہیں۔ فرشتے جب وحی لاتے ہیں تو نزولِ وحی کی کیفیت آپ پر ظاہر ہوتی ہے مگر درودوں اور اعمالناموں کی پیشی کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ نہ فرشتوں کو ہم دیکھتے ہیں، نہ اعمالنامے دکھائی دیتے ہیں اور نہ آپ کی ظاہری کیفیات سے فرشتوں کی آمد کا اندازہ ہوتا ہے حالانکہ یہ سوالات کم اہم نہیں تھے مگر صحابۂ کرام نے حیاتِ حسی میں اپنی صلوٰۃ و اعمال کی پیشی کے بارے میں کسی تردد کا اظہار نہیں کیا۔

اگر کچھ کھٹک محسوس ہوئی تو وہ بھی بعد وفات صلوات و تسلیمات کی پیشی

کے متعلق ہوئی اور حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب میں صرف انبیاء کے اجسام مطہرہ کی بقاء و محفوظیت کا اعلان فرما دینا کافی سمجھا کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسم کو گزند پہنچائے اور یہ سنکر تمام صحابۂ کرام مطمئن ہو گئے۔

بصیرت ایمانی سے اگر اس سوال و جواب میں غور و خوض کیا جائے تو مندرجہ ذیل ہدایات ملتی ہیں۔ چونکہ صحابۂ کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کی حیات حسی میں اپنے حالات پر مطلع و محافظ سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کے دل میں زمانۂ قیام ارضی کے متعلق کوئی شبہ نہیں پیدا ہوا اور نہ انہوں نے اس کے بارے میں کوئی سوال کیا۔ بخاری شریف کی ایک اور روایت بھی حضور کی اطلاع و نگرانی کی شہادت دیتی ہے۔

حدیث ۴۶ : اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ وَاِنِّیْ شَہِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیْ الْاٰنَ وَاِنِّیْ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ (بخاری شریف کتاب الجنائز و کتاب المغازی)

ترجمہ: (بر سر ممبر خطبہ میں آپ کا ارشاد) بے شک میں تم سے آگے جانے والا ہوں (اشارہ وفات کی طرف ہے) اور بیشک میں تمہارا نگران ہوں اور گواہ ہوں اور بیشک میں دیکھ رہا ہوں اپنے حوض کوثر کو بھی اور بیشک مجھے زمین کی کنجیاں دے دی گئیں۔

حضور کا یہ فرمان والا شان مجمع عام میں ممبر شریف پر خطبہ کی صورت میں ہے

اس کے تمام کلمات رسالت کو مرتب و مربوط کیجئے یہی ایک مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ میں تمہارے درمیان سے حسّی طور پر رخصت ہونے کے بعد تم سے بے خبر و بے تعلق نہیں ہو سکتا ہوں بلکہ جس طرح اپنی موجودہ جگہ سے عالمِ بالا میں حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح عالمِ بالا میں پہنچ کر عالمِ دنیا میں تم پر نگاہ رکھوں گا اور تمہارا نگراں رہوں گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ تمام زمین کے سارے معاملات سے پورا تعلّق رکھوں گا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کی کنجیاں مجھے دے دی ہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ شہید کے معنی مشاہدہ کرنے والا نگراں اور ناظر ہے۔ لازمی معنی گواہ و شاہد۔ کیونکہ گواہی و شہادت اسی کی معتبر و قابلِ اعتماد ہوتی ہے جو واقعات کا نگراں اور ناظر ہو۔ عرف عام میں اس کو چشمِ دید گواہ کہتے ہیں۔

یہاں بعض حضرات شہید کا حقیقی مفہوم یعنی نگراں و ناظر نہ مراد لیں، اور لازمی معنی صرف گواہ، وہ بھی جس نے واقعات کو دیکھا نہ ہو، مراد لیں تو یہ ان کی غلطی ہو گی۔ گواہی تو دراصل ناظر و نگراں ہی کی معتبر ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے حق میں شہید بمعنی نگراں و ناظر مراد لینے پر ہم اس لئے مجبور ہیں کہ پیشِ نظر حدیث میں کلمات کی ترکیب و ترتیب سیاق و سباق ایسا حکم دے رہے ہیں۔

شَہِیْدٌ عَلَیْکُمْ (تمہارا ناظر و نگراں) کہنے کے بعد ممکن تھا کسی کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا جس طرح آج کچھ لوگ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ

وسلم کو شہید یعنی نگراں کہنے میں تردد و شک ظاہر کرتے ہیں۔ تو آپ نے اپنے دعوائے نگرانی و شہادت کو مختلف دلائل و مشاہدات سے مستحکم کر دیا۔

اوّل: حضور اس طرح عالمِ بالا میں رہتے ہوئے تمہارے نگراں و محافظ رہیں گے جس طرح آپ خطبہ دیتے وقت اپنے ممبر شریف سے عالمِ بالا میں حوضِ کوثر کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ عالمِ دنیا میں رہتے ہوئے عالمِ بالا بھی پیشِ نظر ہے اور عالمِ بالا کے قیام میں عالمِ دنیا نگاہوں کے سامنے رہیگا۔

دوم: حضور کی نگرانی و نگاہ صرف صحابۂ کرام تک محدود نہیں ہے جو اس خطبہ کے مخاطب ہیں بلکہ ساری زمین اور جو کچھ اس میں ہے تا قیامت آپ کے سامنے ہے کیونکہ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ (مجھے زمین کی کنجیاں دے دی گئی ہیں)

سابقہ دعوے کی تائید و دلیل ہے۔ لہٰذا آپ عالم و اہلِ عالم کے تمام معاملات سے پورا تعلق رکھتے۔

(ب) صحابۂ کرام یہ بھی جانتے تھے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام اپنی جہت سے جو جہت حسّی تھی ہماری نگاہوں کو نور و ضیا بخشتے ہیں اور دوسری جہت سے ملاء اعلیٰ سے وابستہ رہتے ہیں۔

نزولِ وحی کی خاص کیفیت صرف قرآن مجید کے ساتھ وابستہ ہے۔ حیاتِ ظاہری میں صلوٰۃ و سلام کی پیشی کے متعلق ان کو کوئی تردد نہ تھا خواہ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کو حالاتِ صحابہ، بلکہ تمام اہلِ عالم کی اطلاع بعطائے الٰہی شہید و نگراں کی حیثیت سے ہوتی ہے یا فرشتوں کے واسطے اور معرفت سے۔

جس بارگاہ کے پیش کار و کارپرداز، خبر رساں اور ہرکارے نورانی فرشتے ہوں اس کے صدر نشین کے اقتدار و اختیار کی وسعت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

(ج) صحابۂ کرام نے اپنے سوال میں حیات برزخی اور حیات روحانی کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں چاہی کیونکہ حیات ارواح اور حیات برزخ تو سب کے نزدیک مُسلّم اور مانی ہوئی بات ہے۔ ان کا سوال حیاتِ جسمانی کے متعلق تھا اور حضورِ اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے اسی پہلو کو اپنے اصحاب پر واضح فرما دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ

ترجمہ: بیشک اللہ نے حرام کر دیا زمین پر کہ یہ کھائے نبیوں کے اجسام کو۔

ورنہ حضور کی طرف سے جواب کا یہ انداز (معاذ اللہ) سراسر لغو اور بے ربط ہو جائے گا۔ مطلب یہ کہ آپ نے بتا دیا کہ تمہاری صلوات و تسلیمات کی پیشی میں بعد وفات بھی کوئی فرق نہیں آئے گا کیونکہ روحانی حیثیت سے سب ہی انسان زندہ ہیں۔ لیکن انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسلام اپنے پاک و لطیف جسموں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔ زمین ان کے مطہر جسموں سے بے ادبی نہیں کر سکتی۔ اگر یہ مفہوم قبول نہ کیا جائے تو صحابۂ کرام کا سوال اور حضور کا جواب نامربوط اور لغو ہو جائے گا۔

حدیث: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ قَالَ جَزَی اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَّا ھُوَ اَھْلُہٗ۔

ترجمہ: اللہ بدلہ دے ہماری طرف سے محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کو ایسا بدلہ جو اُن کے لائق مقام و مناسب منصب ہو۔

حدیث ۴۸: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَا مِنْ عَبْدَیْنِ مُتَحَابَّیْنِ یَسْتَقْبِلُ اَحَدُھُمَا صَاحِبَہٗ وَیُصَلِّیَانِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا لَمْ یَتَفَرَّقَا حَتّٰی یَغْفِرَ لَھُمَا ذُنُوْبُھُمَا مَا تَقَدَّمَ مِنْھُمَا وَمَا تَاَخَّرَ۔

ترجمہ: حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد گرامی ہے۔ اللہ کے کوئی دو بندے آپس میں محبت رکھنے والے جب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں اور صلوٰۃ بھیجیں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم پر مگر یہ کہ جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (ابو یعلےٰ)

اِس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اوّل: ایسے مومن جن پر عبدیت و بندگی کا اطلاق ہو یعنی وہ فرائض کے پابند ہوں اور محرمات سے پرہیز کریں ان کے حق میں صلوٰۃ و سلام مغفرت کا وسیلہ ہے۔

دوم: حلقہ کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھنا جائز ہے بلکہ بہت بہتر ہے۔ لہٰذا جو لوگ درود شریف کے لیے اجتماع، حلقہ اور محفل کے انعقاد کا انکار کرتے ہیں، غلطی پر ہیں کیونکہ آمنے سامنے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا فائدہ زیادہ ہے نیز قرآن مجید میں صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

دونوں جمع کے صیغے ہیں جو اجتماعی اور انفرادی دونوں طریقوں کو شامل ہیں اور یہ روایت مجتمع ہو کر درود خوانی کی تائید کرتی ہے لہٰذا قرآن کے ساتھ موافقت نے اس حدیث کی اہمیت اور بڑھا دی اور اجتماعی صلوٰۃ وسلام کے پہلو کو بہت زیادہ اُجاگر کر دیا۔

دوسری روایتوں میں جو انفرادی صلوٰۃ وسلام کا ثبوت ملتا ہے وہ بھی جائز ہے گویا مقصود بالذات صلواۃ وسلام ہیں اور اس کے لیے اجتماعی اور انفرادی دونوں طریقے مستحسن ہیں۔ کیوں نہ ہو نماز باجماعت میں ہم مجتمع ہو کر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں (تشہد درود ابراہیمی) اور سنن ونوافل نمازوں میں الگ الگ جداگانہ صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں۔ اس قاعدہ کلیہ کے تحت کہ تمام اعمال خیر اور نفلی عبادات کی اصل فرائض ہیں خارج نماز صلوٰۃ وسلام کے لیے نمازوں میں صلوٰۃ وسلام کا حکم طریقہ وعمل کی بنیاد وراہنما ہے۔

حدیث: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ قَالَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ (بزاز، طبرانی کبیر، طبرانی اوسط)

ترجمہ: فرمایا نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جو کوئی کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اس کی شفاعت میرے ذمے ہو گی۔

صلوٰۃ وسلام کے مختلف طریقوں اور کلموں کو جو حدیثوں میں وارد ہوئے

ہیں آپ اپنے سامنے رکھیے اور دلائل الخیرات، اور اد فتحیہ اور اولیاء اللہ کے دیگر کتب وظائف میں مندرج صلوٰۃ وسلام کا ان سے مقابلہ کیجیے تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ جو لوگ دلائل الخیرات میں مندرجہ صلوٰۃ وسلام کے پڑھنے کو منع کرتے ہیں غلطی پر ہیں کیونکہ ان کتابوں میں صلوات وتسلیمات کی بنیاد حدیثوں میں مروی کلمات صلوٰۃ وسلام پر ہے نیز حدیثوں میں جو یہ عام حکم ملتا ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے میں تزئین سے کام لینا چاہیئے وظائف اولیاء ان کے مطابق ہے اگر ان وظیفوں کے جواز کے لیے اولیاء اللہ کے کشف والہام کو سند نہ بھی تسلیم کریں پھر بھی کتب احادیث کی مرویات ان کو جائز قرار دینے کے لیے کافی ہیں۔

حدیث ۵۰: عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَحْسِنُوا الصَّلٰوۃَ فَاِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّ ذٰلِکَ یُعْرَضُ عَلَیْہِ فَقَالُوْا لَہٗ فَعَلِّمْنَا قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَقَائِدِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَغْبِطُہٗ بِہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے ارشاد فرمایا لوگو! جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو نہایت عمدہ اور شاندار طریقے پر درود بھیجو۔ تمہیں نہیں معلوم کہ حضور کے سامنے اس کی پیشی کی اُمید ہے۔ لوگوں نے کہا پھر ہمیں درود سکھائیے! ابن مسعود نے فرمایا کہ تم یوں کہو اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَکَاتِكَ (الحدیث)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صلوٰۃ و سلام میں تحسین و تزئین۔ تعظیم و تفخیم، توقیر و تکریم کے خیال سے زیادہ سے زیادہ کلمات بڑھائے جا سکتے ہیں اور ہر مرد مومن کو صلوٰۃ و سلام کے سلسلے میں تعظیمی کلمات کے اضافے کی اجازت ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود نے درود ابراہیمی پر جو کلمات اضافہ فرمائے ہیں، وہ ان کے اپنے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کردہ صلوٰۃ ابراہیمی میں یہ کلمات مروی نہیں ہیں۔

حدیث ۱۵: عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰی یُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (طبرانی، ترمذی)

ترجمہ: حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہر دعا حجاب رحمت و عظمت کے باہر رہتی ہے جب تک حضور سیدنا و مولانا محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم پر درود شریف نہ بھیجا جائے۔

حدیث ۵۲ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مَوْقُوْفًا قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْهُ شَیْءٌ حَتّٰی یُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّكَ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بیشک دعائیں آسمان و زمین کے درمیان مُعلّق رہتی ہیں اور بارگاہِ صمدیت تک ان میں سے کچھ بھی صعود نہیں کرتا یہاں تک کہ درود تمہارے نبی پر بھیجا جائے (صلّے اللہ علیہ وسلّم)

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبولیت دعا کے لیے صلوٰۃ و سلام کا وسیلہ ضروری ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو اعلانِ قرآنی اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ (ہر کلمۂ پاکیزہ کی رسائی بارگاہِ صمدیت تک ہے) کی حقیقی تجلی نظر آتی ہے۔ صلوٰۃ و سلام خود کلمۂ طیب ہیں جو حریم بارگاہ تک پہنچتے ہیں یا ان کے علاوہ کلمات کو اگر کلمۂ طیب قرار دیا جائے تو وہ صلوٰۃ و سلام کی رفاقت و شراکت میں امکان کی مسافت طے کر کے حریم وجوب تک رسائی حاصل کرتے اور مقبول ہوتے ہیں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ اصل وحدانیت تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اعلان

اقرار ہے مگر ہماری اِن تصدیقات کو اللہ جلّ مجدہٗ تک صعود و عروج کے لیے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے اقرار کا انتظار رہتا ہے جب تک کوئی شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نہ کہے اس کا اقرار توحید اللہ رب العزّت کی بارگاہ تک پہنچ کر مقبول نہیں ہوتا۔

یہی کیفیت اذان، اقامت اور نماز کی ہے بلکہ تمام عبادات میں یہ رنگ بہت گہرا نظر آتا ہے چنانچہ حج کا تکملہ زیارتِ روضۂ انور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ (جس نے حج کیا اور مجھ سے ملاقات نہ کی اُس نے مجھ پر جفا کی)

قیام

ہمارا مشاہدہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے جو لوگ کنارہ کشی رکھنے والے ہیں مختلف طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔

اوّل: کچھ تو ایسے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام کی کثرت کے بدلے اپنے حلقہ اثر میں توبہ و استغفار کی کثرت پہ زور دیتے ہیں۔ اگر ان سے درود وسلام کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو اس کی تنقیص نہیں کرتے مگر سارا زور استغفار پر کر دیتے ہیں۔

دوم: لفظوں میں صلوٰۃ وسلام کی فضیلت کا اقرار کرتے ہیں مگر عملی

لحاظ سے کنارہ کش رہتے ہیں اور بہ لطائف الحیل دوسروں کو بھی اس سے باز رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس گروہ ثانی کے بہانوں میں سے ایک بہانہ یہ بھی ہے کہ صلوٰۃ وسلام کی محفلوں سے کنارہ کشی کا سبب وہاں کا مروجہ قیام ہے جسے وہ لوگ بدعت کہتے ہیں حالانکہ قیام ان کی نگاہ میں اگر بدعت وضلال ہے تو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بیٹھ کر ہی سہی صلوٰۃ وسلام کے حلقے قائم کر سکتے تھے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک قیام کی طرح شاید قعود بھی بدعت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن وحدیث کے ارشادات کی روشنی میں صلوٰۃ وسلام کی مداومت وکثرت درود خوانی کے حلقۂ ومحفل کا قیام بہت بہتر ہے مگر ایک ایسا فرمانِ الٰہی ہے جو نہ بصورت قیام وقعود درست اور نہ لیٹ کر روا۔ اسی لیے ان لوگوں میں صلوٰۃ وسلام معمول ومروج نہیں ہے۔

حکمِ قیام کی حقیقت

جیساکہ گذشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ تمام نفلی عبادات کی اصل فرائض ہیں۔ لہٰذا ہم نمازوں کو دیکھتے ہیں تو ان میں قیام وقعود دونوں صورتوں میں صلوٰۃ وسلام کی بنیادیں ملتی ہیں۔ قنوت حسن میں بحالتِ قیام درود شریف کی تعلیم ہے اور نماز جنازہ میں دست بستہ بحالت قیام درود شریف کا حکم ہے۔ اسی طرح قعدۂ نماز میں تشہد درود کی تعلیم ہے جو سلام وصلوٰۃ پر مشتمل ہیں۔ خود قیامِ تعظیمی از روئے حدیث مطلق حرام نہیں ہے بلکہ اس

کی حرمت مقید ہے چنانچہ ارشاد ہے ۔

حدیث ۵۳: عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی عَصًا فَقُمْنَا لَہٗ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا کَمَا یَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ یُعَظِّمُ بَعْضُھَا بَعْضًا۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوامامہ راوی ہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نکلے اپنے عصا پر ٹیک لگائے تو ہم سب آپ کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ نہ کھڑے ہو تم سب اس طرح جیسے کہ اہلِ عجم کھڑے ہوتے ہیں ایک دوسرے کی تعظیم میں۔

اس روایت میں ممانعت کی علت عجمیوں کے قیام کی مماثلت ہے جو قیام عجمی مماثلت سے پاک ہو، اس ممانعت کی گرفت میں نہیں آتا۔

عجمیوں کے قیام کا اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے سردار، بادشاہ یا مذہبی پیشوا کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں اور مجلس برخاست ہونے تک کبھی نہیں بیٹھتے اور چند خواص جو اونچے مرتبے والے ہیں وہ مؤدب بیٹھتے تو ہیں مگر سردار کے ہر قیام و قعود کے ساتھ بار بار اُٹھتے ہیں۔ ان کی معاشرت میں یہ جرم ہے کہ سردار کھڑا ہو اور لوگ بیٹھے رہیں خواہ سردار کو بیسیوں بار ایک ہی مجلس میں کھڑا ہونا پڑے۔ سب کے سب اس کی تعظیم میں بار بار کھڑے ہوں گے۔

ممانعت کی دوسری علّت تکبّر ہے۔ ارشاد ہے۔

حدیث ۵۴: عَنْ مُعَاوِیَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (ترمذی - ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت معاویہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اس بات سے مسرت ہوتی ہو کہ لوگ کھڑے ہو کر اس کو تعظیم دیں تو ایسے متکبر کو جہنم میں اپنا ٹھکانا بنانا چاہیئے۔

لہٰذا جو قیام تکبر و تبختر سے پاک ہو تو وہ قیام ممانعت کی زد میں نہیں آتا۔ ٹھیک اس کے مقابل وہ روایتیں ہیں جن سے قیام کا ثبوت ملتا ہے۔

حدیث ۵۵: عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حُكْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ وَكَانَ قَرِيْبًا مِّنْهُ فَجَآءَ عَلٰى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنٰى مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ (بخاری - مسلم - ابوداؤد)

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب بنو قریظہ (قبیلۂ یہود) حضرت سعد بن معاذ کی ثالثی کو قبول کر کے اپنے قلعہ سے اُترے تو آپ نے سعد بن معاذ کو بلا بھیجا جو قریب ہی کی آبادی میں تھے، تو وہ اپنے مرکب پر آئے اور جب مسجد کے قریب پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصاریوں سے کہا کہ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

(بخاری - مسلم - ابوداؤد)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحب فضل کی تعظیم کے لیے مسجد میں بھی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث سے سیدنا سعد بن معاذ کے لیے قیام تعظیمی کا حکم ہے جو انصاری تعظیم کو نہ اُٹھتے گنہگار ہوتے۔ کیونکہ فرمان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے مگر دوسروں کے حق میں قیام تعظیمی کا جواز ثابت ہوتا ہے، اگر قیام تعظیمی مطلقاً شرک و بدعت ہوتا تو حضرت سعد بن معاذ کی اس طرح تعظیم کا فرمان صادر نہیں ہوتا۔

حدیث ۵۶: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْلِسُ مَعَنَا فِی الْمَسْجِدِ یُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِهٖ۔

(بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (نبوی) میں ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھتے اور گفتگو فرماتے۔ پس جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہم سب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لیتے کہ امہات المومنین کے حجروں میں سے کسی حرم سرا میں داخل ہو گئے۔

اس روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم میں کھڑا ہونا اور تا دیر کھڑا رہنا ثابت ہے۔ لہٰذا اگر قیام تعظیمی بہ ہمہ حال بدعت و شرک ہوتا تو نہ صحابہ اس کو اختیار کرتے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی

اجازت دیتے۔

حدیث ۵۷: قَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَشْبَہَ سَمْتًا دَمِلًا وَھَدْیًا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَۃَ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہَا فَکَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَیْہِ قَامَ اِلَیْھَا فَاَخَذَ بِیَدِھَا فَقَبَّلَھَا وَاَجْلَسَہَا فِیْ مَجْلِسِہٖ وَکَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَیْہَا قَامَتْ اِلَیْہِ فَاَخَذَتْ بِیَدِہٖ فَقَبَّلَتْہُ وَاَجْلَسَتْہُ فِیْ مَجْلِسِہَا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ فاطمہ سے زیادہ کوئی چال ڈھال، طرز انداز میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وعلیہما وسلم کے مشابہ نہ تھا جب وہ آستانۂ رسالت پر پہنچتیں تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ان کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ ان کا ہاتھ چومتے اور اپنی جگہ عرش نبوّت پر بٹھاتے اور جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُن کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں، دست بوسی کرتیں اور خاص اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

پہلی دو روایات مذکورہ کی بناء پر بعض محدثین قیام تعظیمی کو مکروہ کہتے ہیں مگر جمہور محدّثین اور ان کی اکثریت کا فیصلہ ہے کہ اِنَّ الْقِیَامَ لِاَھْلِ الْفَضْلِ مُسْتَحَبٌّ لِلْحَدِیْثَیْنِ عَنْ عَائِشَۃَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ وَبِعَمَلِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ عَنِ الْقِیَامِ مِنْ غَیْرِ نَکِیْرٍ۔

ترجمہ: صاحبان فضل کی تعظیم میں کھڑا ہونا مستحب ہے کیونکہ حضرت ابو سعید اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دونوں حدیثیں بالکل واضح ہیں اور اس مسئلے سے متعلق سب سے زیادہ قوی اور صحیح روایتیں ہیں۔

نیز قیام تعظیمی سلف و خلف کا معمول یہ ہے اور کسی طرف سے انکار و رد نہیں ہوا۔ رہیں وہ روایتیں جن کی روشنی میں بعض علماء قیام تعظیمی کو مکروہ کہتے ہیں اور وہ سطور بالا میں درج کر دی گئی ہیں۔ ان روایتوں کی مدد سے قیام تعظیمی کو مکروہ کہنا جمہور علماء و محدثین کے نزدیک درست نہیں ہے۔

کیونکہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جو ابو داؤد نے بیان کی ہے، محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اور اس کی سند میں ابو غالب نامی ایک راوی ہے جس کی روایت محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ وہ شخص منکر الروایۃ اور امام نسائی کے نزدیک ضعیف الروایۃ ہے۔

اور ابو مجلز کی روایت سے قیام تعظیمی کی کراہت یوں ثابت نہیں ہوتی کہ اس میں متکبرین کو ملامت کی گئی ہے قیام کرنے والوں کے حق میں کچھ نہیں کہا گیا ہے۔

حیرت ہے کہ جن بعض عالموں نے قیام تعظیمی کو ناپسند کیا اگرچہ دلیل کے اعتبار سے ان کی بات کمزور ہے، پھر بھی قیام تعظیمی کی کراہت سے آگے کچھ نہیں کہا مگر آج کے کم علم حضرات جو نہ اچھی طرح قرآن سے واقف، نہ حدیثوں سے آگاہ قیام تعظیمی کو شرک و بدعت کہنے سے نہیں شرماتے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے :
"ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ"
اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم دلیل تقوے اور کمال ایمان ہے۔ خانہ کعبہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا۔ صفا ومروہ کی تعظیم مصحف شریف کو لاتے ہوئے دیکھ کر کھڑا ہونا (اتقان سیوطی) آب زمزم کھڑے ہو کر پینا، قربانی کے جانوروں کی تعظیم تو شریعت میں قرآن وحدیث اور فقہ سے ثابت ہے۔ لیکن مومن اور وہ بھی صاحب فضل مومن کے لیے قیام تعظیمی مکروہ، شرک و بدعت ہو سخت حیرت کی بات ہے۔ مومن تو حرم بلکہ کعبہ سے بھی افضل ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمر نے کعبۂ مکرمہ کو مخاطب کر کے فرمایا مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالْمُؤْمِنُ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ "تو کیا ہی عظمت والا ہے، تیری حرمت بہت بڑی ہے، مگر مومن اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ عظمت والا ہے"۔

حضرت سعد بن معاذ کے لیے قیام تعظیمی ان کی فضیلت و بزرگی سرداری و پیشوائی کی وجہ سے تھا اور جناب فاطمہ زہرا کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا قیام محبت کی وجہ سے تھا اور حضرت سیّدہ کا قیام حضور علیہ السّلام کے لیے دونوں حیثیتوں کو شامل ہے محبت والفت کی وجہ سے بھی اور عظمت وجلالت اور شانِ نبوّت کی وجہ سے بھی۔

جو لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے یعنی محبت والفت اور تعظیم وتکریم دونوں مقصود ہیں اور کسی صاحب فضل

کو سلام کرنے کا بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ کھڑے ہو کر خطاب کر کے اسے سلام کیا جائے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صاحبِ فضل بلکہ مصدرِ فضل ہونے میں کسی مومن کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا حکمِ قرآنی صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی تعمیل اگر کھڑے ہو کر کی جائے تو اس کے پسندیدہ اور مستحب ہونے میں کیا کلام ہے؟

اِس سے بحث نہیں کہ سلام کرتے وقت حضور علیہ السّلام کو اپنے نزدیک حاضر سمجھیں یا غائب جو لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور متعدد حدیثوں سے وہ اپنے اس عقیدے کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ ان کے لیے قیامِ تعظیمی وسلامِ مخاطب میں کوئی الجھن نہیں ہے اور جو لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو حاضر و ناظر نہیں مانتے کم از کم دو باتوں کے تو وہ بھی قائل ہیں۔

اوّل ۔ جس طرح سلامی سلام عرض کرے گا، فرشتے بارگاہِ نبوّت و رسالت تک اسی طرح پہنچا دیں گے۔

دوم: سرکارِ دو عالم صلّے اللہ علیہ وسلّم ہر مومن کے خیال، دل، تصوّر میں ہمیشہ موجود ہیں ورنہ ایمان کی نفی ہو جائے گی اور جس کسی کو ہم اپنے تصوّر، خیال اور دل میں موجود قرار دیں اس کو سلام بھی کر سکتے ہیں اور گفتگو بھی کر سکتے ہیں۔ شرک و بدعت یا کراہت کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ تصوّرِ انسانی میں تو وہ قوت وقدرت ہے کہ آنِ واحد میں عرش و کرسی، لوح و قلم کو گھیر لیتا ہے۔

بعض حضرات حدیثوں کو دیکھ کر مجبور ہو جاتے ہیں اور قیام تعظیمی کے خلاف لب کشائی سے باز رہتے ہیں مگر صلوٰۃ و سلام سے کنارہ کشی کے لیے خاص ذکرِ ولادت کے وقت قیام تعظیمی کو عذر بناتے ہیں حالانکہ یہ بھی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ان کو صلوٰۃ و سلام سے انکار نہیں ہے تو اپنے اپنے حلقے میں صلوٰۃ و سلام کی محفلیں منعقد کریں، قیام نہ کریں، یا ذکرِ ولادت کے وقت نہ سہی اوّل یا آخر میں قیام کریں۔ ذکرِ بعثت، ذکرِ معراج، ذکرِ ہجرت کسی وقت بھی قیام نہ کریں، یہ کون سی بات ہے جس پر جھگڑے ہوں اور صلوٰۃ و سلام کی نعمت سے محرومی کو گوارا کیا جائے۔

ولادت کے وقت جو شرق و غرب میں زمانۂ قدیم سے قیام تعظیمی رائج ہے تو یہ اپنے اپنے احساسات ہیں۔ ابتداء میں تمام علمائے امّت نے اس قیام تعظیمی کو بہ نظرِ استحسان دیکھا، بعد میں کچھ لوگوں نے اختلاف کیا اور آج بھی جمہورِ اُمّت یعنی سوادِ اعظم کا یہ قیام معمول ہے۔ منکرین قیام کا کوئی خاص شمار نہیں وہ جماعت سے کٹ کر علیحدہ ہو گئے ہیں۔ وہ اقلیّت و شذوذ میں ہیں۔ اور ذکرِ ولادت کے وقت قیام تعظیمی کے متعلق اپنی طرف سے بے سر و پا باتیں کرتے ہیں کہ قیام کرنے والوں کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ولادت ابھی ہوئی ہے وغیرہ وغیرہ ھٰذا ابہتانٌ عَظِیم یہ محض افتراء ہے۔ حیرت ہے کہ ایسی بے عقلی کی باتیں گھڑ کر کس طرح لوگ دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ صلوٰۃ و سلام کی جو تعلیم ملی ہے اور فرائض

میں صلوٰۃ وسلام کی جو نظیریں ہیں وہ بہ حالتِ قیام اور بحالتِ قعود دونوں طرح صلوٰۃ وسلام کا طریقہ سکھاتی ہیں۔

اُمتِ مسلمہ ذکرِ پاک کی محفلوں میں دونوں حالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنا اپنی سعادت سمجھتی ہے۔ لہٰذا ذکر کے تمام پہلوؤں میں ذکرِ ولادت کے وقت قیام زیادہ مناسب حال و موافق مقام معلوم ہوتا ہے، ورنہ یہ الزام کہ لوگ اس خاص ذکر کے وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ولادت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور معاذ اللّٰہ ہندوؤں کی طرح کنھیّا کا جنم تصوّر کرتے ہیں یہ ایسے الزامات ہیں جن کی توقع ایک مسلمان کی طرف سے دوسرے مسلمان کے خلاف نہیں کی جا سکتی۔

مصنّف کے معروضات

کسی صاحبِ ایمان کے لیے صلوٰۃ وسلام کے متعلّق صرف ایک حدیث کافی ہے لیکن گذشتہ صفحات میں قرآن کا فرمان اور تقریباً ۵۰ احادیث کتابوں کے حوالے کے ساتھ درج کر دی گئیں تاکہ بدقسمتی سے جو تنازعات پیدا ہو گئے ہیں ان کا ازالہ ہو اور آئندہ کے لیے سدِ باب۔ صلوٰۃ وسلام کتنا پسندیدہ و مستحسن فعل ہے اس کا اندازہ صرف اس ایک بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس عملِ خیر و سعادت کی ترغیب و تشویق کے لیے ابھی صدہا احادیث ایسی ہیں جن کا اندراج اس کتاب میں نہیں ہوا تاکہ قارئین

بہ آسانی مطالعہ کر سکیں اور ضخامت ان کے شوق میں حائل نہ ہو اس کتاب میں علمائے ربانی اور اولیائے رحمانی کے مشاہدات تجربات اور ہدایات سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے ورنہ صلوٰۃ وسلام کے فیوض و برکات، انوار و تجلیات کے بارے میں آج چودہ سو سال سے ہر دور میں لاکھوں مقدسین نے جو کچھ کہا اور لکھا ہے ان کا احاطہ مشکل ضرور ہے۔

مختصر یہ ہے کہ ایمان نام ہے اللہ اور اس کے رسول کی سچی محبت اور کامل وابستگی کا اور اظہار محبت کے مختلف طریقوں میں سب سے زیادہ عام اور متفق علیہ طریقہ محبوب کے ذکر کی کثرت ہے مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا فَاَکْثَرَ ذِکْرَہٗ (محب اپنے محبوب کا کثرت سے ذکر کرتا ہے) اسی لیے اللہ رب العزت کے ذکر سے جو محبوب حقیقی ہے کسی قلب مومن کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اُٹھتے، بیٹھتے سوتے جاگتے ہر آن و ہمہ حال اللہ رب العزت کو یاد کرتے رہنا ایمان کا تقاضا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کا ذکر جمیل فریضۂ ایمانی ہے۔ اللہ کا حکم ہے نیز اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ دواماً اپنے حبیب کے ذکر کو جزو لازم بنا دیا۔ ارشاد ہے اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ (جب میرا ذکر ہو تو آپ بھی ذکر کئے جائیں گے) نیز اعلان ہے اِنَّمَا جَعَلْتُ ذِکْرَکَ ذِکْرِیْ (اے حبیب آپ کے ذکر کو میں نے اپنا ذکر ٹھہرایا ہے) محبت کے بارے میں ارشاد ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَنَفْسِہٖ وَالنَّاسِ

اَجْمَعِیْنَ (تم میں کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک میں ساری کائنات سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں) اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (نبی مومنین کی اپنی جانوں سے زیادہ محبوب تر، قریب تر اور بزرگ ترین ولی ہیں) لہٰذا صلوٰۃ وسلام ذکر رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا وہ برگزیدہ طریقہ ہے جو اللہ رب العزّت کو بے حد محبوب ہے مومنوں کو اس پر کاربند رہنا چاہیئے اس سلسلہ میں راقم الحروف کی چند معروضات ہیں اُمید ہے۔ اہلِ سعادت قبول کریں گے۔

اوّل حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی کسی بھولی ہوئی سُنّت کو دوبارہ جاری کر دے اور دین کی کسی ہدایت کو زندہ کر دے تو اس کو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور آئندہ جو لوگ اس کی یاد دلائی ہوئی سُنّت پر عمل پیرا ہوں گے ان کی تعمیل سے بھی سُنّت کو زندہ کرنے والا المضاعف ثواب پاتا رہے گا۔ اِس قاعدہ کلیّہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تمام مسلمانوں کو ہم یاد دلاتے ہیں کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ فَاِنَّھَا مَنْزِلَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ لَا تَنْبَغِیْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰہِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَ فَمَنْ

الْوَسِیْلَۃِ حَلَّتْ عَلَیْہِ الشَّفَاعَۃُ۔

حضرت عبد اللہ بن العاص راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا جب تم مؤذّن کو سنو تو مؤذّن کی طرح تم بھی کہو! بعدہٗ مجھ پر درود بھیجو! کیونکہ جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس کے بدلے دس بار درود اس پر بھیجتا ہے بعدہٗ اللہ سے میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگو! وہ ایک درجہ ہے جنّت میں جو اللہ کے ایک بندے کے لیے مُعیّن ہے اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں تو جس نے میرے لیے اللہ سے وسیلہ چاہا شفاعت کا مستحق ہو گیا۔

آج کل عوام و خواص اس حدیث سے غافل ہیں۔ حدیث میں فرمان یہ ہے کہ:

(الف) فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ (المؤذن) یعنی اذان کی آواز سُن کر جس طرح مؤذن کہے تم بھی کہو۔ اس جگہ مثل کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ مؤذن کی طرح تمام سامعین بھی بلند آواز سے اذان کے کلمات دہرائیں بلکہ تمام محدثین و فقہا مثل کا مفہوم صرف کلمات تک محدود رکھتے ہیں اور یہی معمول و مناسب ہے۔

(ب) ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ جب اذان و جواب اذان ختم ہو جائے تو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجنا چاہیئے۔

(ج) ثُمَّ سَلُوْا (اللہ) لِیَ الْوَسِیْلَۃَ (بعدہٗ دعائے وسیلہ مانگنی چاہیئے)

اذان سے متعلق ان تین احکام میں سے عموماً اوّل و آخر دو حکموں پر لوگ عمل کرتے ہیں۔ ختم اذان کے بعد دعائے وسیلہ مانگتے ہیں حالانکہ اذان و دعائے وسیلہ کے درمیان صلوٰۃ کا حکم ہے لہٰذا اس سُنّت کو دوبارہ زندہ کرنا چاہیئے اور بعد اذان صلوٰۃ کو رائج کرنا چاہیئے۔

زمانۂ قدیم سے جامع دمشق میں رائج ہے کہ قبل اذان مؤذن صلوٰۃ و سلام پکارتے ہیں، علمائے اعلام میں سے کسی نے اس کو موقوف نہیں کرایا ہندو پاکستان میں بھی بعض مساجد میں اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام رائج ہیں۔ مگر زیب عنوان حدیث میں بعد اذان صلوٰۃ کا حکم ہے اگر لوگ قبل اذان صلوٰۃ پکارتے ہیں تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ صلوٰۃ و سلام کی اہمیت اپنی جگہ مسلم و ثابت ہے اور شریعت نے اس فریضہ کی بجا آوری میں اُمّتِ مرحومہ کو وقت و طریقے کا پابند نہیں کیا ہے۔ لہٰذا ہمہ وقت سلام و صلوٰۃ درست و پسندیدہ ہیں۔ ہاں جن اوقات میں صلوٰۃ و سلام پر خصوصی زور دیا گیا ہے اور حدیثوں میں اہمیت آئی ہے وہ مواقع صلوٰۃ و سلام کے لیے ہمیشہ اہم رہیں گے۔

پیشِ نظر حدیث میں بعد اذاں دعائے وسیلہ سے پہلے صلوٰۃ کا حکم ہے لہٰذا اس کی رعایت کی اہمیت ضرور ہے البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ بعد اذان صلوٰۃ و سلام اذان کی طرح بلند آواز سے پکارے جائیں یا صرف جہراً و سرّاً؟ سو شریعت میں اس کے متعلق کوئی وضاحت نہیں ہے لہٰذا جب قرآن و سُنّت نے کسی خاص طرز و انداز کو مقرر نہیں کیا ہے لہٰذا جب

قرآن و سُنّت نے کسی خاص طرز و انداز کو مقرر نہیں کیا تو اُمّت کو اختیار ہے کہ اس حکم کو بجالانے کے لیے جو طریقہ بھی پسند کرے جائز ہے۔

بعض محدّثین جواب اذان کے بارے میں جہر کو ترجیح دیتے ہیں۔ الہٰذا صلوٰۃ وسلام بھی جہراً مرجح رہیں گے۔ اس سلسلہ میں بہتر فیصلہ یہی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ آہستہ آہستہ اذان کا جواب دیں اور شہادتین میں آہستہ حضور اکرم علیہ السّلام کا نام پاک لیں وہ آہستہ ہی صلوٰۃ وسلام بھیج کر پیشِ نظر حدیث اور حدیث وعید مذکور ع۹ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں اور جو لوگ کھلی آواز سے اذان کا جواب دیتے رہے اور کھلی آواز سے شہادتین میں حضور کا نام لیں وہ کھلی آواز میں صلوٰۃ وسلام بھیجیں۔

اور جو لوگ بہ آواز بلند (مثلاً "موذّن) حضور انور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا نام پاک لیں، وہ بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام بھیجیں۔ اس سے ایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جو لوگ اس حکم سے غافل ہیں ان کی غفلت دور ہو جائے گی اور نام پاک کے ذکر اور صلوٰۃ وسلام کی آواز میں توازن قائم رہے گا۔ ممکن ہے بعض حضرات کی طرف سے یہ بہانا پیش کیا جائے کہ موذّن اگر اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پکاریں گے تو کلماتِ اذان میں اضافہ اور تحریف کا شبہ پیدا ہوگا۔

یہ اعتراض و شبہ بے بنیاد ہے کیونکہ مقررہ اعمال وکلمات میں کمی بیشی کا خطرہ عہدِ رسالت میں تھا۔ آپ کے بعد اس کی گنجائش نہیں ہے۔ بالخصوص دورِ صحابہ کے بعد تو سرے سے ایسے شبہات کی کوئی

راہ پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ عہدِ رسالت میں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ، کی اذان کی وجہ سے آج بھی اُمّتِ محمدیہ میں ترجیع مختلف فیہ ہے مگر حضور علیہ السّلام کے بعد کسی بیشی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

دوئم۔ اہلِ ایمان سے التماس ہے کہ ہر نماز کے بعد نہ سہی فجر یا عشاء کے بعد صرف دس منٹ کے لیے گھڑی دیکھ کر درود خوانی کا حلقہ قائم کریں۔ اس طرح کئی ہزار درود مل کر وہ روزانہ پڑھ لیں گے اور اس کے فیوض و برکات سے سرفراز ہوں گے۔ جو لوگ درود شریف سے غافل ہیں وہ بھی اس اجتماعی برکت و سعادت میں شرکت کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ سبحانہ، کا تقرب حاصل کریں گے۔

سوئم۔ ہم اپنے قارئین کے سامنے یہ التجا کرتے ہیں کہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ختم کتاب کے بعد کم از کم گیارہ بار صلوٰۃ وسلام پڑھ کر اس کا ثواب اور اثنائے کتاب میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ذکر کے وقت جو صلوٰۃ وسلام انہوں نے بھیجا ہے ان سب کا ثواب راقم الحروف کو اس کے اساتذہ کو اس کے تلامذہ کو اس کے آباء و امہات کو اور تمام اعزاء و احباب کو اور ان تمام حضرات کو جو اس کتاب کو پڑھ کر راقم الحروف کو صلوٰۃ و سلام کا ثواب ایصال کرنے والے ہیں اور کل مومنین و مومنات اور مسلمین و مسلمات کو بخش دیں۔

وَمَا علینا اِلّا البلاغ المبین

والحمد للہ رب العٰلمین .

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم

وآلہٖ واصحابہٖ واتباعہ اجمعین

بندۂ اثم سیّد محمد ہاشم عفی عنہ یوم دوشنبہ ۱۱ شعبان سنہ ۱۳۷۷ھ